③ (ایک دفعہ) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ سواریوں پر بیٹھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا، تم کو شرم نہیں آتی کہ خدا کے فرشتے تو پیدل چل رہے ہیں اور تم جانوروں کی پشتوں پر سوار ہو۔ (ترمذی - ابن ماجہ)

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو (نیک بندہ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں رہتا ہے اور ہمیشہ اسی حال میں رہتا ہے پس اللہ تعالیٰ جبرئیل سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ میری رضامندی کی تلاش میں رہتا ہے۔ جان لو کہ میری رحمت اس کے لیے ہو چکی۔ پھر جبرئیل کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت فلاں شخص پر ہے۔ پھر یہی بات عرش کو اٹھانے والے فرشتے کہتے ہیں اور وہ فرشتے بھی کہتے ہیں جو ان کے قریب ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے یہی کہتے ہیں۔ پھر رحمت اس شخص کے لیے زمین پر اترتی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح و شام ان کلمات کو تین مرتبہ کہے تو اللہ تعالیٰ لازماً اس مسلمان کو قیامت کے دن خوش کر دے گا۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا

(یعنی میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے راضی ہو گیا۔) (مُسند احمد و جامع ترمذی)

⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومنِ کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

(مؤطا امام مالکؒ، مُسند احمد، مسندِ دارمی)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق و مغرب پر نظر ڈالی۔ یقیناً میری اُمّت اس حصۂ زمین کے گوشوں تک پہنچے گی (قابض ہو گی) جو مجھے سکیڑ کر دکھایا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت فرمائے گئے، ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی اُمّت کے لیے یہ دُعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلّط نہ کیا جائے کہ وہ ان کی نسل کو تباہ کر ڈالے۔ میرے پروردگار نے اس کے جواب میں فرمایا، اے محمدؐ جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری اُمّت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلّط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ (صحیح مسلم)

(۹) جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں ـــــ) اس وقت ہم لوگ کسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ بعض اصحاب نے کہا کہ یہ آیت صرف سونے چاندی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کاش ہم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال بہتر ہے (یعنی سونے چاندی کے سوا جن کا حکم اس آیت سے معلوم ہو گیا ہے) تو اسی کو جمع کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنا تو فرمایا، بہترین مال اللہ کا ذکر کرنے والی زبان ہے اور اللہ کا شکر کرنے والا دل ہے اور وہ مومن بیوی ہے جو شوہر کے دین و ایمان کی مددگار ہے۔

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابنِ ماجہؒ)

حضرت یسار نوبی رضی

حضرت یسار نوبیؓ کے شرف و مجد کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ سرورِ کائنات رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام (مولیٰ) تھے۔ اربابِ سیر نے اتنا تو لکھا ہے کہ وہ نوبہ (سوڈان) کے رہنے والے تھے لیکن یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کب مدینہ منورہ آئے اور کب شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے۔ ان کے حسب و نسب کی تفصیل بھی کسی کتاب میں نہیں ہے البتہ بعض روایات سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ وہ بڑے پکے اور سچے مسلمان تھے اور عبادتِ الٰہی سے خاص شغف رکھتے تھے۔ نماز کے تمام ارکان کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضورؐ کو ان کے نماز پڑھنے کا انداز اس قدر پسند آیا کہ آپؐ نے انہیں اسی وقت آزاد کر دیا لیکن حضرت یسارؓ کو حضورؐ سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ وہ آپؐ کی غلامی پر ہزار آزادیاں قربان کر سکتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ مجھے اپنے شرفِ غلامی سے محروم نہ فرمائیے۔ میں اپنی تمام زندگی آپؐ کی خدمت گزاری میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

ان کا جذبۂ اخلاص دیکھ کر حضورؐ نے ان کو یہ خدمت تفویض کی کہ وہ آپؐ کے (صدقہ کے) اونٹ چرایا کریں۔ چنانچہ وہ قبا سے متصل ایک چراگاہ (ناحیۂ ذی الجدر)

میں چلے گئے اور بڑے ذوق وشوق سے فرمانِ نبوی کی تعمیل میں مشغول رہنے لگے۔

۶ھ ہجری میں قبیلہ عُکل اور عُرینہ کے آٹھ آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق ان لوگوں کو عظمِ طحال (تلی بڑھ جانے) کا عارضہ تھا اور وہ اپنے وطن ہی سے بیمار آئے تھے۔

ایک دوسرے قول کے مطابق ان کو مدینہ منوّرہ کی آب وہوا موافق نہ آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ حضورؐ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ تم ناحیۂ ذی الجدر جاؤ وہاں کی آب وہوا صحت بخش ہے اور ہمارے اونٹ اونٹنیاں بھی ہیں ان کا دودھ خوب پیو، انشاء اللہ تمہاری صحت بحال ہو جائے گی۔

وہ لوگ وہاں چلے گئے۔ حضرت یسارؓ نے ان کو اپنے آقا ومولاؐ کے مہمان جان کر بڑے خلوص اور محبت سے ان کی میزبانی کی۔ وہ لوگ چند دن میں تندرست وتوانا ہو گئے۔ اب بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یسارؓ کے ممنونِ احسان ہوتے، انہوں نے اپنی بدطینتی کی بنا پر ارتداد اور دغا بازی پر کمر باندھی۔ ایک دن علی الصباح پندرہ اونٹ ہانک کر لے چلے۔ حضرت یسارؓ نے ان کی یہ حرکت دیکھی تو انہیں اونٹ لے جانے سے منع کیا جب وہ باز نہ آئے تو ان کے پیچھے دوڑے اور مزاحمت کرنے لگے۔ ان غداروں نے حضرت یسارؓ کو گرفتار کر لیا۔ پھر بڑی بے رحمی سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے۔ اس صدمہ سے حضرت یسارؓ شہید ہو گئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واردات کی خبر ہوئی تو آپؐ کو سخت دُکھ ہوا۔ آپؐ نے حضرت کرزؓ بن جابر فہری کو بیس سوار دے کر ان بدسرشت لٹیروں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ اثنائے راہ میں حضرت کرزؓ کو ایک عورت ملی جو اونٹ کا شانہ اٹھائے ہوئے تھی۔ حضرت کرزؓ نے اس سے پوچھا، "تم کو یہ کہاں سے ملا؟" اس نے کہا، "میں ادھر آ رہی تھی کہ ایک جگہ چند آدمی ملے جو ایک اونٹ ذبح کر کے

اس کا گوشت بنا رہے تھے اس میں سے یہ شانہ انہوں نے مجھے دے دیا۔ یہ لوگ اگلے پڑاؤ میں مقیم ہیں۔ حضرت کرزؓ نے برق رفتاری سے اُس طرف رُخ کیا اور ان لوگوں گرفتار کرکے ان کی مشکیں باندھ لیں پھر انہیں اور بقیہ چودہ اونٹوں کو ساتھ لے کر واپس آئے۔ حضورؐ اس وقت غابہ (جنگل یا چراگاہ) میں تشریف رکھتے تھے۔ جب ان غداروں کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انہوں نے یسارؓ کے ساتھ کیا۔ چنانچہ ان سب کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں، پھر انہیں حرّہ میں ڈال دیا گیا جہاں وہ سب تڑپ تڑپ کر واصلِ جہنم ہوئے۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ قرآنِ حکیم کی یہ آیت ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ

(المائدہ - آیۃ ۳۳)

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں (مراد اس سے رہزنی اور ڈکیتی ہے) ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں۔
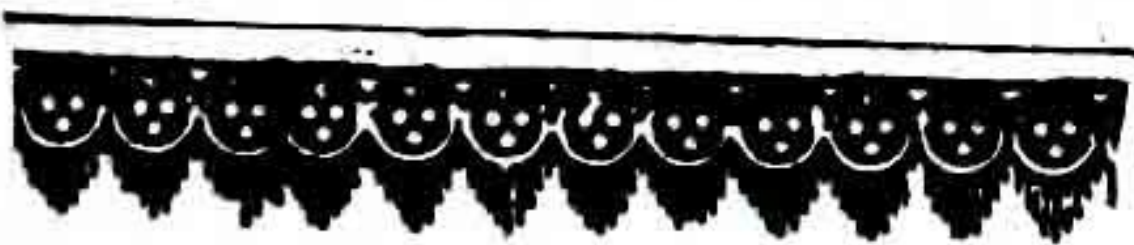
حضرت مُعَیقیبؓ بن ابی فاطمۃ الدَوسی
خاتم بردارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱

بعثتِ نبویؐ کے ابتدائی زمانے میں اللہ کے جن سعید الفطرت بندوں نے کسی تامّل کے بغیر دعوتِ توحید پر لبیک کہا اور راہِ حق میں ہر قسم کے مصائبؒ آلام خندہ پیشانی سے برداشت کیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کا لقب دے کر کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی اور جنت کی بشارت سے نوازا۔ قبولِ حق میں سبقت کرنے والے ان نفوسِ قدسی کا درجہ ان تمام اصحاب سے بلند ہے جو ان کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ در ہوئے۔ سابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں جہاں مکہ کے چند نیک فطرت اصحاب تھے وہاں کچھ ایسے غریب الدیار لوگ بھی تھے جو کسی مجبوری یا ضرورت (غلامی یا تلاشِ روزگار) کے باعث مکہ میں آبسے تھے۔ مُعَیقیبؓ بن ابی فاطمہ ایک ایسے ہی جوانِ صالح تھے جو رہنے والے تو یمن کے تھے اور قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنو دوس سے تعلق رکھتے تھے لیکن تلاشِ روزگار کے سلسلے میں بنو عبدِ شمس کے حلیف بن کر مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ تمام اربابِ سیَر کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ حضرت مُعَیقیبؓ دعوتِ توحید (بعثتِ نبوی) کے بالکل ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن قبولِ اسلام کے بعد غزوۂ خیبر (اوائل ۷ھ ہجری) تک ان کی زندگی کہاں اور کیسے گزری، اس کے بارے میں اہلِ سیَر میں بہت اختلاف ہے۔ اتنے عظیم المرتبت صاحبِ رسول جو نہ صرف سابقون الاوّلون کی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن تھے بلکہ جن کو خاتم بردارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا مہتم بالشان شرف

بھی حاصل ہوا، ان کے بارے میں اہلِ سِیَر کے مختلف بیانات فی الواقع تعجب خیز ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ چودہ صدیوں کے بعد ان کی چھان پھٹک کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص روایت پر انحصار کرنے کی بجائے ہر قسم کی روایات بیان کر دی جائیں۔

(۲)

حضرت مُعَیقیبؓ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں تمام کتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ابی فاطمۃ الدوسی کے فرزند تھے۔ ظاہر ہے کہ "ابی فاطمہ" ان کے والد کی کنیت تھی اصل نام کسی نے بیان نہیں کیا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ (اوائلِ بعثت میں) وہ مکہ میں اسلام لائے اور پھر اپنے وطن واپس چلے گئے لیکن حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اور حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور دوسری ہجرتِ حبشہ (۶ سنہ بعد بعثت) میں شریک ہوئے۔ جمہور اہلِ سِیَر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد حضرت مُعَیقیبؓ بھی دوسرے اہلِ حق کی طرح مشرکینِ قریش کے ظلم و ستم کا ہدف بن گئے۔ ۵ سنہ بعد بعثت میں حضورؐ کے ایماء پر مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ اگلے سال (۶ سنہ بعد بعثت میں) مظلوم اہلِ حق کا ایک بڑا قافلہ ہجرت کر کے حبش پہنچا حضرت معیقیبؓ بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے پہلے حبش سے واپس آ گئے اور بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور بیعتِ رضوان میں بھی شریک ہوئے لیکن ابنِ ہشام اور بہت سے دوسرے اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت مُعَیقیبؓ مہاجرینِ حبشہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس وقت حبش سے مدینہ آئے جب حضورؐ غزوۂ خیبر میں مصروف تھے یہ اصحاب سالہا سال کی جدائی کے بعد اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے اس قدر بے تاب تھے کہ آپؐ کی مراجعت کا انتظار نہ کر سکے اور سیدھے خیبر پہنچ کر حضورؐ کی زیارت سے شادکام ہوئے۔ حضورؐ نے نہایت مسرت سے ان کا استقبال کیا اور ہر ایک سے معانقہ و مصافحہ کیا۔ اگرچہ خیبر اس وقت فتح ہو چکا تھا اور ان اصحاب کو غزوہ میں شریک ہونے کا موقع نہیں

ملا تھا لیکن حضورؐ نے سب کو مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔ حضورؐ نے مدینہ منوّرہ کو مراجعت فرمائی تو حضرت معیقیبؓ بھی آپؐ کے ساتھ مدینہ آ گئے اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

(۴)

خیبر کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف، اور تبوک کے غزوات پیش آئے۔ حضرت معیقیبؓ ان سب میں شریک ہوئے۔ حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ مدینہ منوّرہ میں حضرت معیقیبؓ کو جو خاص شرف حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہرِ مبارک ان کی تحویل وحفاظت میں دے دی۔ یہ مہرِ مبارک چاندی کی انگشتری کی صورت میں تھی اس میں حبشی نگینہ تھا جس پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے۔ آپؐ نے اسے مکاتیب و فرامین پر ثبت کرنے کے لیے بنوایا تھا۔ اسے آپؐ کبھی کبھی بائیں ہاتھ کی انگشت مبارک میں پہنتے تھے لیکن اکثر یہ حضرت معیقیبؓ کی تحویل میں رہتی تھی۔ اس طرح وہ خاتم بردارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ یہ ایک منفرد اور بہت بڑا اعزاز تھا اور اس حقیقت کا مظہر تھا کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ ایک امین اور نہایت ذمہ دار آدمی تھے اسی بنا پر تمام صحابۂ کرامؓ حضرت معیقیبؓ کی بے حد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی کاتب تھے۔ ان میں سے بعض وحی کی کتابت کرتے تھے بعض امراء وسلاطین کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ بعض اموالِ صدقات کا حساب رکھتے تھے۔

حضرت معیقیبؓ ان معدودے چند صحابہ میں سے تھے جو نوشت وخواند میں پوری مہارت رکھتے تھے اس لیے مستقل کاتبانِ وحی کی غیر موجودگی میں بعض موقعوں پر انہیں بھی کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی حضرت معیقیبؓ کا اعزاز واکرام برقرار رکھا اور انہیں مالی امور کا نگران بنایا اور ان سے کتابت کا کام بھی لیا۔

حضرت عمر فاروقؓ بھی حضرت معیقیبؓ کا بہت احترام اور لحاظ کرتے تھے۔ انہوں

نے اپنے عہدِ خلافت میں بیت المال قائم کیا تو حضرت عبداللہ رضؓ بن ارقم کو اس کا افسر اور نگران مقرر کیا اور حضرت معیقیب رضؓ اور عبدالرحمٰن رضؓ بن عبید القاری کو ان کا نائب بنایا۔ علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" میں رقمطراز ہیں:

" (حضرت عمرؓ نے) عبداللہؓ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کیے گئے جن میں عبدالرحمٰنؓ بن عبید القاری بھی تھے۔ معیقیبؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتری بردار تھے اور اس کی وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلّم الثبوت تھی۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معیقیبؓ کو حضرت زیدؓ بن ثابت کا مددگار بھی فرمایا تھا جو عہدۂ کتابت پر فائز تھے۔ گویا حضرت مُعَیقیبؓ افسرِ خزانہ اور افسرِ کتابت دونوں کی نیابت کا فرض انجام دیتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت مُعَیقیبؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کے عہدِ خلافت میں حضرت معیقیبؓ جذام کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے علاج پر خاص توجہ دی۔ اس دور کے نامور اطبا کو بلا کر ان کے علاج پر مامور کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر دو یمنی طبیبوں کے علاج سے اتنا ہوا کہ مرض بالکل تو رفع نہ ہوا لیکن آئندہ بڑھنے سے رُک گیا۔ عام طور پر لوگ اس قسم کے مریض کے ساتھ ملنے جلنے اور کھانے پینے سے احتراز کرتے ہیں لیکن حضرت عمر فاروقؓ ان کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے اور فرماتے کہ یہ برتاؤ صرف تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔

مسندِ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی جائداد وقف کی تو اس وقف نامہ کی کتابت حضرت مُعَیقیبؓ ہی نے کی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ بھی اپنے پیشرووں کی طرح حضرت مُعَیقیب کی تکریم و تعظیم کرتے رہے۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت معیقیبؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت کے آخر میں وفات پائی۔

ان کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے محمدؒ بن مُعَیقیبؓ کا پتہ چلتا ہے۔ بقول حافظ ابنِ حجرؒ انہوں نے اپنے والدِ گرامی سے روایت بھی کی ہے۔

حضرت مُعَیقیبؓ سے مروی چند احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان میں دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

حضرت ذکوان رضؓ بن جُندُب اسلمیؓ

(صاحب البُدن رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم)

①

حضرت ذکوانؓ بن جُندُب اسلمیؓ کا شمار ان صحابۂ کرامؓ میں ہوتا ہے جن پر سرورِ کائنات فخرِ موجودات محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد اعتماد تھا، اور آپؐ نے ان کو ایک نہایت اہم خدمت سپرد کر رکھی تھی — یہ خدمت تھی قربانی کے جانوروں کی نگرانی۔ ایسے جانوروں کو عربی زبان میں "بُدن" کہا جاتا ہے اسی لیے حضرت ذکوانؓ "صاحب البدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے لقب سے مشہور تھے۔ "ناجیہ" ان کا خطاب تھا اور لوگ عام طور پر ان کو "ذکوانؓ بن جندب" کے بجائے "ناجیہؓ بن جندب" کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کا تعلق بنو اسلم بن افصیٰ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ذکوان (ناجیہؓ) بن جُندُب بن عمیر بن یعمر بن دارم بن عمرو بن واثلہ بن سہم بن مازن بن سلامان بن اسلم بن افصیٰ۔

حضرت ذکوانؓ کے جذبۂ فدویت اور اخلاص فی الدّین کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ عہدِ رسالت سے متعلق چند واقعات کے سوا اہلِ سیَر نے ان کی زندگی کے دوسرے حالات بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی (ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کے علاوہ انہیں مزید حالات دستیاب ہی نہ ہوئے ہوں) بہر صورت جو کچھ معلوم ہے وہ بھی ان کے مرتبہ و مقام کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۲)

حضرت ذکوانؓ کب سعادت اندوزِ اسلام ہوئے؟ اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ ذیقعدہ ۶ھ ہجری سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ ان کا قبیلہ مرانظہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ اپنے صحرائی وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو جاں نثاروں کے ہمراہ خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے مکہ کا عزم فرمایا۔ ان جاں نثاروں میں حضرت ذکوانؓ بن جُندب بھی شامل تھے اور بقول ابنِ سعد حضورؐ نے انہیں قربانی کے جانوروں کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا۔ اُدھر قریشِ مکہ کو کسی ذریعے سے مسلمانوں کے عزمِ مکہ کا علم ہو گیا۔ انہوں نے اس بات کو اپنی غیرت کے منافی سمجھا کہ علمبردارانِ توحید اُن کی رضا مندی کے بغیر مکہ میں داخل ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی مزاحمت کرنے کا تہیّہ کر لیا اور اس مقصد کے لیے خالدؓ بن ولید کو (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) مسلح جنگجوؤں کا ایک دستہ دے کر مکہ سے روانہ کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بنو خزاعہ کے سردار بدیلؓ بن ورقاء (جو اگرچہ اس وقت مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے لیکن مسلمانوں کے خیر خواہ تھے) راستے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپؐ کو مشرکینِ قریش کے ارادہ کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ مشرکین کی ایک جمعیت خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے مکہ سے چل پڑی ہے۔ حضورؐ کا ارادہ قریشِ مکہ سے لڑنے کا نہ تھا اس لیے آپؐ نے اپنے ہمرکاب صحابہؓ سے پوچھا:

> "کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو مکہ جانے والے تمام راستوں سے واقف ہو اور ہم کو قریش کا راستہ بچا کر دوسرے راستے سے نکال لے جائے۔
> (مطلب یہ کہ لڑائی پر آمادہ قریش کی جمعیت سے مسلمانوں کا سامنا نہ ہو)۔"

حضورؐ کا ارشاد سُن کر حضرت ذکوانؓ بن جُندب کھڑے ہو گئے اور عرض کیا:

> "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یہ خدمت میں انجام دوں گا۔"

چنانچہ وہ قریش کا راستہ کاٹ کر ایک دوسرے راستے سے مسلمانوں کو لے گئے اور کسی رکاوٹ کے بغیر انہیں حدیبیہ پہنچا دیا، جہاں حضورؐ نے مسلمانوں کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک کنواں تھا، مسلمانوں نے اس کا سارا پانی نکال لیا اور وہ خشک ہو گیا۔ حضورؐ کو اطلاع دی گئی تو آپ اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ تھوڑا سا پانی منگایا اور کلی کر کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ ذرا سی دیر میں کنوئیں میں وافر پانی ہو گیا جو سب نے پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت جابرؓ بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں پانی کی قلت کی وجہ سے ہم پیاسے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے سے برتن سے وضو کر رہے تھے۔ لوگ گھبرائے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا، کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہمارے پاس پانی ختم ہو گیا سوائے اس کے جو آپ کے سامنے (برتن میں) ہے۔ حضورؐ نے اس برتن میں اپنا دستِ مبارک رکھا تو پانی آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح جاری ہو گیا جو سب نے پیا اور اس سے وضو کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حدیبیہ میں جابجا خشک گڑھے تھے صحابہؓ نے حضورؐ سے پانی کی شکایت کی تو آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت ذکوانؓ کو دیا کہ اس کو جا کر کسی گڑھے میں گاڑ دو۔ انہوں نے ایک گڑھے کے درمیان گاڑ دیا۔ اس کی برکت سے خشک گڑھے میں پانی کا چشمہ اُبلنے لگا۔

قیامِ حدیبیہ ہی کے دوران میں ایک دن حضرت ذکوانؓ بن جُندُب نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: "یا رسول اللہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں قربانی کے جانوروں کو حرم میں لے جا کر ذبح کر دوں۔"

حضورؐ نے فرمایا، "مشرکینِ قریش تو مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے لڑنے مرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اس صورتِ حال میں تم کس طرح جانور حرم میں لے جا کر ذبح کر سکتے ہو۔"

انہوں نے عرض کیا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں جانوروں کو

ایسے راستے سے حرم تک لے جاؤں گا کہ قریش کو اس کا پتہ تک نہ چلے گا۔"

حضورؐ نے فرمایا "اچھا تو جانور لے جاؤ۔"

حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ذکوانؓ کمال ہوشیاری اور رازداری سے جانوروں کو حرم میں لے گئے اور وہاں انہیں ذبح کر کے واپس آئے۔

حدیبیہ میں "بیعتِ رضوان" کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا تو حضرت ذکوانؓ نے بھی بڑے ذوق وشوق سے حضورؐ کے دستِ مبارک پر لڑنے مرنے کی بیعت کی۔ اس طرح وہ اُن خوش بخت اصحاب میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔)

صلح حدیبیہ کے بعد غزوہ خیبر پیش آیا۔ اس میں وہ تمام صحابہ شریک تھے جو حدیبیہ میں آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ حضرت ذکوانؓ بن جُندب بھی ان میں شامل تھے۔

۳

صلحنامہ حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ مسلمان اگلے سال (کسی ہتھیار کے بغیر) مکہ آ کر عمرہ ادا کر سکیں گے۔ چنانچہ ذیقعدہ ۷ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ تاریخ میں یہ عمرہ "عمرۃ القضاء" کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر بھی حضرت ذکوانؓ بن جُندب کو قربانی کے جانوروں کو لے جانے اور ان کی نگرانی کی خدمت سپرد ہوئی۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے بڑے قافلے سے پہلے اپنے قبیلے کے چار نوجوانوں کو ساتھ لے کر قربانی کے جانوروں کو مکہ معظمہ لے گئے۔ حضورؐ نے مکہ معظمہ میں نُزولِ اجلال فرمایا تو حضرت ذکوانؓ سمیت سب اہلِ حق نے نہایت ذوق وشوق سے عمرہ ادا کیا اور حسبِ وعدہ تین دن کے بعد مکہ معظمہ

سے مراجعت کی۔

رمضان المبارک ۸ ؁ھ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ پر پرچم اسلام بلند کیا اور بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار جاں نثار حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ قیاسِ غالب یہ ہے کہ حضرت ذکوانؓ بن جُندب بھی ان نفوسِ قدسی میں شامل تھے اور غزوۂ حنین (شوال ۸ ؁ھ ہجری) میں بھی وہ حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔

ذیقعدہ ۱۰ ؁ھ ہجری میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانوروں پر حضرت ذکوانؓ کو نگران مقرر فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ساتھ (حجۃ الوداع کے موقع پر) سولہ اونٹ مکہ کو روانہ فرمائے اور اس کو ان اونٹوں کا نگہبان مقرر کیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ اگر ان اونٹوں میں سے کوئی کسی بیماری یا تھکاوٹ کی وجہ سے چل نہ سکے تو میں کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو ذبح کر لے اور اس کے خون میں ان جوتیوں کو جو اس کے گلے میں پڑی ہیں، ڈبو کر اس کے کوہان پر نشان لگا دے اور اس کا گوشت نہ تو کھا اور نہ تیرے ساتھی۔

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اونٹوں کے نگہبان کا نام نہیں لیا لیکن مؤطا امام مالکؒ، مسندِ ابوداؤد، مسندِ دارمی اور جامع ترمذی کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نگہبان حضرت ذکوانؓ (ناجیۃ الاسلمی) ہی تھے۔ یہ حدیث خود حضرت ذکوانؓ بن جُندب (ناجیۃ الخزاعی یا ناجیۃ الاسلمی) سے مروی ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ قربانی کے جانوروں میں سے جو جانور مرنے کے قریب ہوں میں ان کو کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا ان کو ذبح کر دے اور ان کے خون میں اُن کو ڈبو کر جو ان کی گردن میں ہیں، ان کی گردنوں پر نشان لگا دے اور پھر ان کو لوگوں میں چھوڑ دے تاکہ وہ ان کو کھائیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ذکوانؓ طویل عرصہ تک حیات رہے لیکن ان کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ——— رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

حضرت عتبہؓ بن اُسید ثقفی

①

بعثتِ نبویؐ کے ابتدائی زمانے میں جن سعید الفطرت انسانوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہا، وہ مشرکین قریش کے قہر و غضب کا نشانہ بن گئے لیکن اللہ کے ان پاکباز بندوں کو کسی قسم کا خوف، دباؤ اور جور و ستم راہِ حق سے منحرف نہ کر سکا اور وہ سالہا سال تک طرح طرح کے مصائب و آلام نہایت صبر و استقامت کے ساتھ جھیلتے رہے۔ حضرت عتبہؓ بن اُسید بھی ان بلاکشانِ اسلام کی مقدّس جماعت کے ایک فرد تھے۔ تاریخ میں وہ اپنی کنیت "ابو بُصَیر" سے مشہور ہیں۔ ان کا تعلق طائف میں آباد بنو ثقیف کے جنگجو قبیلے سے تھا لیکن انہوں نے قریش سے قریبی تعلقات کی بنا پر مکہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابو بُصَیر عتبہؓ بن اسید بن جاریہ بن اسید بن عبداللہ بن ابی سلمہ بن عبداللہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف۔

ماں کا نام سالمہ تھا ان کا نسب نامہ یہ ہے:

سالمہ بنت عبد بن یزید بن ہاشم بن مُطّلب

حضرت عتبہؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ان کے کانوں میں جونہی دعوتِ حق کی آواز پڑی وہ کسی تامل کے بغیر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ مشرکین مکہ کے نزدیک ان کی یہ "حرکت" ناقابلِ برداشت تھی۔ انہوں نے برافروختہ ہو کر نوجوان عتبہؓ کو قیدِ محن میں ڈال دیا جہاں وہ طویل عرصے تک مصائب و آلام

کی چکی میں پستے رہے۔

۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عتبہؓ ایک دن موقع پا کر کفار کی قید سے بھاگ نکلے اور سیدھے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جا حاضر ہوئے۔

۲

صلح نامۂ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے گا۔ اس کو آپؐ واپس کر دیں گے۔ مشرکینِ مکہ حضرت عتبہؓ کے فرار سے بہت پیچ و تاب کھانے لگے۔ جب انہوں نے سنا کہ وہ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو فوراً دو آدمی حضورؐ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجے کہ آپ معاہدہ کے مطابق ہمارا آدمی واپس کر دیں۔

حضرت عتبہؓ کو مکہ واپس بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ پھر مشرکین کے پنجۂ ستم میں گرفتار ہو جائیں لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عہد و پیمان کی پابندی کو ایمان کا حصہ قرار دیتے تھے اس لیے آپؐ نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا:

"ابوبصیر تمہیں معلوم ہے کہ صلحنامہ کی شرط کے مطابق میں تمہیں اپنے پاس نہیں روک سکتا۔ اگر روکوں تو یہ عہد شکنی ہو گی جو ہمارے دین میں جائز نہیں اس لیے اس وقت تم واپس جاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کی رہائی کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔"

حضرت عتبہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ آپ مجھے پھر مشرکین کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے راہِ حق سے برگشتہ کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا، "ابوبصیر جاؤ اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہاری اور دوسرے مسلمانوں کی گلو خلاصی کا کوئی سامان کر دے گا۔"

حضرت عتبہؓ ارشادِ نبویؐ کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ چل پڑے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر ان کے دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ حضرت عتبہؓ نے ان میں سے ایک سے کہا :

"جانِ برادر تمہاری یہ تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔"

تلوار کا مالک اپنی تلوار کی تعریف سُن کر بہت خوش ہوا اور کہا "بے شک یہ تلوار بہت اچھی ہے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔"

حضرت عتبہؓ نے کہا، "ذرا دکھانا تو۔"

اُس نے جھٹ تلوار نیام سے کھینچی اور حضرت عتبہؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ عتبہؓ حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ آ تو گئے تھے لیکن انہوں نے سالہا سال تک کفار کے پنجۂ ستم میں رہ کر جو سختیاں جھیلی تھیں ان کے پیشِ نظر وہ کسی قیمت پر بھی اپنے آپ کو دوبارہ ان کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے چنانچہ تلوار ہاتھ میں آتے ہی انہوں نے اس کے مالک کا سر اڑا دیا۔ دوسرا خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا اور مدینہ جا کر مسجدِ نبوی میں پہنچا جہاں سرورِ عالمؐ رونق افروز تھے۔ حضورؐ نے اس کو بدحواس دیکھ کر پوچھا "تم پریشان کیوں ہو اور واپس کیسے آ گئے؟" اس نے سارا واقعہ بیان کیا، اتنے میں حضرت عتبہؓ بھی بارگاہِ رسالتؐ میں آ پہنچے۔ انہوں نے عرض کیا :

"یا رسول اللہ آپ نے معاہدہ کی شرط پوری کر دی اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ اللہ نے مجھے ہمت دی کہ میں آزاد ہو گیا۔"

قریش کے آدمی کو قتل کر کے حضرت عتبہؓ کا اس طرح واپس آنا قریش کو مشتعل کرنے کا باعث ہو سکتا تھا اس لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"یہ شخص (عتبہ) بھی جنگ کے شعلے بھڑکانے کا آلہ ہے اگر اس کو چند مددگار اور ساتھی مل جائیں۔"

حضرت عتبہؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے تو انہیں یقین ہو گیا کہ مدینہ میں میرا رہنا ممکن نہیں۔ چپکے سے وہاں سے کھسک

گئے اور ساحلی مقامات کا رُخ کیا۔

۳

حضرت ابُوبُصَیر عتبہؓ نے ایک ساحلی مقام "عیص" کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اس کے قریب ہی وہ راستہ تھا جس پر سے قریش کے تجارتی قافلے شام آتے جاتے تھے۔ چند دن بعد اسی قسم کے ایک اور ستم رسیدہ صحابی حضرت ابوجندلؓ بن سہیل بھی مشرکین مکّہ کی قید سے فرار ہو کر عیص پہنچ گئے۔ اب دوسرے بلاکشانِ اسلام کے لیے بھی راستہ کھل گیا۔ جسے موقع ملتا، قریشِ مکّہ کے پنجۂ ستم سے بھاگ کر سیدھا عیص پہنچ جاتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت عتبہؓ کے پاس مسلمانوں کی خاصی جماعت ہو گئی۔ اب انہوں نے مشرکینِ مکّہ سے انتقام لینے کی ایک عجیب تجویز سوچی۔ قریش کا کوئی تجارتی قافلہ ادھر سے گزرتا تو یہ لوگ اس پر حملہ کر کے تباہی مچا دیتے۔ مشرکینِ قریش حضرت عتبہؓ کے ان چھاپوں سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کی تجارت معرضِ خطر میں پڑ گئی تھی۔ آخر انہوں نے عاجز آ کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آئندہ جو مسلمان بھاگ جائے گا، وہ آزاد ہے آپ اسے واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ساتھ ہی انہوں نے صلۂ رحمی کا واسطہ دے کر آپؐ سے درخواست کی کہ عیص میں مقیم مسلمانوں کو روکئے کہ وہ ہمارے تجارتی قافلوں پر حملے نہ کریں۔

حضورؐ نے قریش کی استدعا قبول فرما لی اور عیص میں مقیم آزاد مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ ابوبُصَیر عتبہؓ اور ابوجندلؓ مدینہ آ جائیں اور باقی لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس موقع پر قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ط (سورۂ فتح آیت ۲۴)

(اللہ وہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں دشمنوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے قابو پانے کے بعد) [1]

جب حضورؐ کا فرمانِ مبارک حضرت عتبہؓ کو ملا تو وہ بسترِ مرگ پر پڑے تھے۔ نامۂ اقدس ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے اور پڑھتے پڑھتے ہی اس کو سر آنکھوں پر رکھے ہوئے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت ابوجندلؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور عیص ہی میں سپردِ خاک کر کے قریب ہی یادگار کے طور پر ایک مسجد بنا دی۔ اس کے بعد حضرت ابوجندلؓ تو مدینہ منورہ آ گئے اور دوسرے مسلمان اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

حضرت ابوبصیر عتبہؓ کی گھریلو زندگی کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور ایک بہادر اور صاحبِ تدبیر شخص تھے۔ حضورؐ کے مکتوبِ مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان کی آزادانہ روش کو معاف فرما دیا تھا اسی لیے ان کو اپنے پاس مدینہ منورہ بلا بھیجا تھا اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو حضرت ابوجندلؓ کی طرح بعد کے غزوات میں وہ بھی حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرتے۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے حدیبیہ میں اسّی مشرکوں کو گرفتار کیا جو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم کھا کر ان سب کو رہا کر دیا۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی

(۱)

سنہ ۱۱ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابۂ کرامؓ پر قیامت بیت گئی۔ دنیا ان کے لیے اندھیر ہو گئی اور وہ فرطِ غم سے نڈھال ہو گئے۔ لیکن رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کیا چارہ تھا۔ نمازِ جنازہ پڑھ کر سینے پر پتھر رکھا اور بادیدۂ گریاں محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو لحد میں اتار دیا۔ اس وقت بھورے بالوں والے ایک بلند قامت اور قوی الجثہ صاحبِ رسولؐ کی بے تابی کا عجیب عالم تھا۔ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کو جی نہ چاہتا تھا۔ حزن و ملال کی تصویر بنے ہوئے تھے اور بار بار بے چینی سے اپنے ہاتھ مل رہے تھے۔ یکایک ان کی انگلی سے انگوٹھی نکل کر قبر مبارک میں گر گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ قریب ہی کھڑے تھے، انہوں نے کہا، قبر میں اتر کر اپنی انگوٹھی نکال لو۔ وہ صاحب قبر میں اترے، اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو ہاتھ لگایا اور پھر لوگوں سے کہا، مٹی گراؤ۔ جب تھوڑی سی مٹی ڈالی جا چکی تو وہ آنکھوں سے سیلِ اشک بہاتے بادلِ ناخواستہ قبر مبارک سے باہر آئے۔ یہ صاحبِ رسولؐ جن کو ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر میں جدا ہونے کا شرف حاصل ہوا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تھے۔

حضرت ابوعبداللہ مغیرہؓ بن شعبہ کا شمار اپنے دور کے نامور سیاسی مدبرین میں ہوتا ہے۔

وہ طائف میں آباد مشہور قبیلہ " بنو ثقیف " کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
مغیرہؓ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن
عمرو بن عوف بن قیس۔
بعض روایتوں میں ان کی کنیت ابو عبداللہ کے علاوہ ابو عیسٰی بھی بیان
کی گئی ہے۔

بنو ثقیف بڑے متمرد اور جنگجو لوگ تھے اور سرسبز و شاداب زمینوں باغوں اور دولت کی ریل پیل نے ان کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا تھا۔ ۱۰ سنہ نبوت میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعوت توحید دینے طائف تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آپؐ سے ایسا ناروا سلوک کیا کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ ان لوگوں کو اجتماعی طور پر ۹ سنہ ہجری سے پہلے قبول اسلام کی توفیق نصیب نہ ہوئی، البتہ بعض اکا دکا سعید الفطرت ثقفی اس سے پہلے ہی شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ایسے ہی خوش بخت ثقفیوں میں شامل تھے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے " الاستیعاب " میں لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ۵ سنہ ہجری میں مشرف بہ ایمان ہوئے اور اسی سال وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں چند آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا اگرچہ بنو ثقیف کے ممتاز رئیس عروہؓ بن مسعود نے ان کی طرف سے دیت ادا کر دی لیکن وہ وطن میں نہ ٹھہرے، بھاگ کر چھپتے چھپاتے مدینہ منورہ آ گئے اور حضورؐ کی بیعت اور شرف اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد یہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

قبول اسلام کے بعد حضرت مغیرہؓ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہِ رسالت میں گزارتے تھے اور فیضانِ نبوی سے خوب خوب بہرہ یاب ہوتے تھے۔ ان کو حضورؐ سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ ہر وقت آپؐ کی خدمت پر کمر بستہ رہتے تھے۔ حضورؐ کوئی حکم دیتے تو لپک کر اس کی تعمیل کرتے، آپؐ کے لیے وضو کا پانی لا دیتے، آپؐ

کے کاشانۂ اقدس کی حفاظت کا فرض انجام دیتے، آپؐ کے اونٹ جنگل میں چرانے کے لیے لے جاتے۔ چونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لیے بعض اوقات کتابتِ وحی کی سعادت بھی نصیب ہو جاتی۔

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ کا عزم فرمایا اس موقع پر چودہ سو صحابۂ کرامؓ کو آپؐ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بھی شامل تھے۔ اثنائے راہ میں جب حضورؐ کو اطلاع ملی کہ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کی مزاحمت کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے ایک فوجی دستہ مسلمانوں کو روکنے کے لیے روانہ کر دیا ہے تو آپؐ معروف راستے کو چھوڑ کر ایک اور راستے سے حدیبیہ پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے کیونکہ آپؐ کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا۔ حدیبیہ سے حضورؐ نے ایک سفیر قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اس کے جواب میں قریش نے عروہؓ بن مسعود ثقفی کو حضورؐ سے گفتگو کے لیے بھیجا۔ عروہؓ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ اگرچہ طائف کے رہنے والے تھے لیکن قریشِ مکہ بھی ان کو بہت مانتے تھے اور اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ عروہؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر گفتگو کا آغاز کیا تو عرب کے عام رواج کے مطابق بار بار حضورؐ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے۔ اس وقت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ چہرے پر ڈھاٹا باندھے (یا سر پر خود رکھے) اور ہتھیار سجائے حضورؐ کی پشتِ مبارک کی جانب کھڑے تھے۔ ان کو عروہؓ کا اندازِ تخاطب سخت ناگوار گزرا۔ بار بار اپنی تلوار کے قبضہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے۔ آخر پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور کڑک کر بولے:

"تجھے معلوم نہیں کس سے بات کر رہا ہے، خبردار اب ہاتھ آگے نہ بڑھانا۔"

عروہؓ نے ان کی آواز پہچان لی اور بولے، "او دغا باز کیا تو میرے احسان کو بھول گیا"۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا جس میں عروہؓ نے حضرت مغیرہؓ کی طرف سے خون بہا ادا کیا تھا۔

حضرت مغیرہؓ نے کہا، "کچھ بھی ہو تم اپنا ہاتھ پیچھے رکھو۔"

عروہ قریش کے پاس واپس گئے تو ان کو جمع کرکے اس طرح خطاب کیا :

"اے برادرانِ قریش! میں دنیا کے بڑے بڑے فرمانرواؤں (قیصرِ روم، کسریٰ ایران، نجاشیٔ حبشہ) کے درباروں میں گیا ہوں ــــــ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی جس طرح ان کے والہ و شیدا ہیں اور جس قدر ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں عقیدت اور وارفتگی کا یہ منظر نہیں دیکھا - محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوکتے ہیں تو یہ لوگ اُن کے لعاب کو اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اپنے جسم اور چہرے پر مل لیتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وضو کرتے ہیں تو یہ لوگ مستعمل پانی کے ایک ایک قطرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں لڑ مریں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اس کی تعمیل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے۔

اُن کے سامنے کوئی شخص بلند آواز سے گفتگو نہیں کرتا اور نہ اُن کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتا ہے۔ میری مانو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صلح کر لو۔"

قریش عروہؓ کی باتوں سے متاثر تو ہوئے لیکن صلح پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب حضورؐ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے ان کو مکہ میں روک لیا۔ جب وہ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں مشہور ہو گیا کہ عثمانؓ کو مشرکین قریش نے شہید کر دیا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کا نام بیعتِ رضوان ہے یعنی خدا کی خوشنودی کی بیعت، کیونکہ اس بیعت میں شریک ہونے والے صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ سورۂ فتح میں انہی نفوسِ قدسی کے بارے میں ارشاد ہوا ہے :-

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے)

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو بھی بیعتِ رضوان کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس اعتبار سے وہ "اصحاب الشجرۃ" کی عظیم المرتبت جماعت میں شامل ہیں۔ ان اصحاب نے جس جوشِ ایمان اور جذبۂ فدویت کا مظاہرہ کیا، قریش کو اس کا علم ہوا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو واپس بھیج دیا اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ صلحنامۂ حدیبیہ معرضِ تحریر میں آیا اور مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتحِ مبین کی بشارت پاکر حدیبیہ سے مراجعت کی۔

۳

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت مغیرہؓ نے غزوۂ خیبر، فتح مکہ، غزوۂ تبوک اور کئی دوسرے غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ شعبان یا رمضان ۹ھ ہجری میں اہلِ طائف نے اپنے چند ذی اثر اور زیرک آدمیوں کا ایک وفد عبدیالیل کی سرکردگی میں مدینہ منورہ روانہ کیا۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ کے قریب مقام "ذی حرض" میں پہنچا تو ان کی ملاقات حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے ہوئی جو وہاں اونٹ چرا رہے تھے۔ انہیں اپنے ثقفی بھائی بندوں کے آنے کی غرض و غایت معلوم ہوئی تو اس قدر خوش ہوئے کہ حضورؐ کو اطلاع دینے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا، خیر تو ہے، اس طرح بے تحاشا کیوں بھاگ رہے ہو؟ حضرت مغیرہؓ نے وفدِ ثقیف کی آمد کی خبر سنائی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ خوشخبری مجھ کو پہنچانے دو۔

حضرت مغیرہؓ کو صدیقِ اکبرؓ کا بے حد پاس و لحاظ تھا، ان کی بات مان گئے اور راستے ہی سے وفد کے پاس لوٹ گئے۔

سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفدِ ثقیف کی آمد کی اطلاع دی تو آپؐ کو بھی بہت مسرت ہوئی۔ اسی اثناء میں حضرت مغیرہؓ بھی ارکانِ وفد کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں پہنچ گئے۔ حضرت مغیرہؓ نے ان لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ

دربارِ نبوتؐ میں پہنچ کر اس طریقہ سے سلام کرنا لیکن ان لوگوں کے رگ و ریشے میں جاہلیت رچی ہوئی تھی انہوں نے اپنے جاہلانہ دستور کے مطابق حضورؐ کو سلام کیا تاہم حضورؐ نے ان کے طرزِ عمل کو نظر انداز کر دیا۔ اس موقع پر حضرت مغیرہؓ نے عرض کیا :۔

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ میری قوم کے لوگ ہیں اگر اجازت ہو تو میں ان کو اپنا مہمان بناؤں اور ان کی خاطر مدارات کروں۔"

حضورؐ نے فرمایا :۔

"میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی رہے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ سکیں۔"

چنانچہ حضورؐ کے ایماء پر وفدِ ثقیف کو مسجدِ نبویؐ کے صحن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرایا گیا۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میں ارکانِ وفد نے قرآن سنا اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو بہت متاثر ہوئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر روز نمازِ عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور دیر تک گفتگو فرماتے رہتے۔ بالآخر اہلِ وفد چند شرائط پر قبولِ حق کے لیے تیار ہو گئے لیکن اپنے معبود بُت "لات" کے بارے میں ان کے دلوں میں سخت خوف بیٹھا ہوا تھا۔ قبولِ اسلام کی شرائط طے ہو جانے کے بعد انہوں نے حضورؐ سے پوچھا :۔

"ہمارے بُت لات کے بارے میں آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا : "اسے توڑ دیا جائے گا۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر ان لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا، بولے "اگر لات کو آپؐ کے ارادے کا علم ہو گیا تو وہ ہمیں تباہ و برباد کر دے گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ ان لوگوں کو ملامت کرنے لگے کہ تم ایک بے جان پتھر سے اتنا ڈرتے ہو؟

اہلِ وفد نے برہم ہو کر کہا :

"عمر تم نہ بولو، ہم تمہارے پاس نہیں آئے" یہ کہہ کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا :

"ہم میں تو اتنی ہمت نہیں کہ لات کو ہاتھ لگائیں، آپ جو چاہیں کریں۔"

حضورؐ نے متبسم ہو کر فرمایا :۔

"اچھا تو یہ بت شکنی ہمارے ذمہ رہی تم لوگ یہ کام نہ کرنا۔"

اس کے بعد سب اہلِ وفد مشرّف بہ اسلام ہو گئے اور اپنے وطن کو مراجعت کی۔

وفدِ ثقیف کی واپسی کے چند دن بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیانؓ بن حرب (اور ایک روایت کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی) طائف روانہ کیا کہ لات اور اس کے معبد کو برباد کر دیں۔ وفد کی واپسی پر بیشتر بنو ثقیف اور ان کے احلاف حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل سے "لات" کی ہیبت نہ گئی تھی۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ بنو ثقیف کی عورتوں کے دلوں سے کفر و شرک کا زنگ دور ہونے میں کافی وقت لگا۔ وہ لات کو بہت مانتی تھیں، اس پر چڑھاوے چڑھاتی تھیں اور اس سے مرادیں مانگا کرتی تھیں۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے طائف پہنچ کر "بتکدۂ لات" کو گرانے کا آغاز کیا تو ثقفی عورتیں روتی پیٹتی سر برہنہ گھروں سے نکل آئیں اور یہ شعر پڑھ پڑھ کر اپنے مردوں کو ملامت کرنے لگیں :۔

الا ابکین دفاع

اسلمها الرضاع

لم یحسنوا المضاع

یعنی "ان لوگوں پر رو و کہ بزدلوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور ان سے معرکہ آرا نہ ہوئے۔

حضرت مغیرہؓ نے ان کے شور و شیون کی کچھ پروا نہ کی، پہلے لات کے بت کو توڑا، پھر بتکدہ کی دیواروں پر چڑھ گئے اور انہیں گرانا شروع کر دیا۔ ان کے ساتھیوں نے بھی ان کی مدد کی اور سب نے مل کر نہ صرف عمارت کا ایک ایک پتھر گرا دیا بلکہ اس کی بنیادیں

تک کھود ڈالیں۔ بُت کدہ کی بربادی کے بعد اہلِ طائف کے دلوں سے خوف دور ہو گیا اور ان میں توحید کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ اب وہ اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کا موقع آیا تو تمام بنو ثقیف بڑے ذوق و شوق سے حج میں شریک ہوئے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو بھی اس موقع پر حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپؐ کی قبر مبارک میں حضرت مغیرہؓ کی انگوٹھی گرنے کا واقعہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بعض اہلِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے اپنی انگوٹھی عمداً قبر مبارک میں گرائی تھی تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر میں جدا ہونے والے شخص کی حیثیت سے یاد کیے جائیں چنانچہ بقول ابن سعدؒ وہ ہمیشہ لوگوں کے سامنے بدیں الفاظ فخر کا اظہار کیا کرتے تھے کہ میں تم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری جدا ہونے والا شخص ہوں۔

۴

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جمہور مسلمین کی طرح خوشدلی سے ان کی بیعت کر لی۔ عہدِ صدیقی کے اوائل میں فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو حضرت مغیرہؓ نے مرتدین کے خلاف جہاد میں پُرجوش حصہ لیا۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے اور اسی وقت مدینہ واپس آئے جب مرتدین کا پوری طرح قلع قمع ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ انہوں نے صدیقِ اکبرؓ کے شروع کیے ہوئے کام کو آگے بڑھایا اور ایران و شام کے خلاف جنگی سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اسی زمانے میں عراقِ عرب کی مہم پر جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے۔

رمضان ۱۴ہجری میں مسلمانوں نے بویب کے مقام پر ایرانیوں کو عبرتناک شکست

دی۔ اس شکست نے مجوسی ایران کی غیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ عراقِ عرب کے جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا وہاں بھی بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان حالات کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے عراقِ عرب کی اسلامی فوجوں کے سپہ سالار حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کو حکم بھیجا کہ ساری فوجوں کو سمیٹ کر سرحدِ عرب کی طرف ہٹ آؤ۔ ساتھ ہی انہوں نے سارے عرب میں جہاد کی منادی کرا دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدینہ منورہ میں ہر طرف جوشِ جہاد سے سرشار مجاہدین کا سیلاب امڈ آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عراقِ عرب کی مہم کا سپہ سالار مقرر کیا اور مناسب ہدایات دے کر مدینہ منورہ سے روانہ کر دیا۔ شراف کے مقام پر حضرت مثنیٰؓ کی ماتحت فوج بھی ان کے ساتھ آ کر مل گئی۔ (اس وقت حضرت مثنیٰؓ معرکہ جسر میں کھائے ہوئے زخموں کی وجہ سے وفات پا چکے تھے) اسی مقام پر حضرت سعدؓ کو حضرت عمر فاروقؓ کا خط ملا جس میں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کرو جو ایران کا دروازہ ہے۔ یہ خط ملتے ہی حضرت سعدؓ شراف سے چل کر قادسیہ میں جا خیمہ زن ہوئے۔ دوسری طرف ایرانی فرمانروا یزدجرد نے ایک نامور ایرانی جرنیل رستم بن فرخ زاد کو ایک جرار لشکر دے کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کا حکم دیا۔ رستم ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ساٹھ ہزار ایرانی جنگجوؤں کے ساتھ مدائن سے چلا اور مدائن سے متصل ساباط کی فوجی چھاؤنی میں پڑاؤ ڈالا۔ قیامِ ساباط کے دوران میں اس نے ایران کے تمام علاقوں میں ہرکارے دوڑا دیئے جہاں سے امدادی فوجوں کا تانتا بندھ گیا۔ ابھی وہ ساباط ہی میں مقیم تھا کہ حضرت سعدؓ نے امیر المومنینؓ کے حکم کے مطابق چودہ آدمیوں پر مشتمل ایک سفارت براہِ راست یزدجرد کے پاس مدائن بھیجی۔ اس سفارت کے ایک رکن حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بھی تھے۔ حضرت مغیرہؓ سمیت اس وفد کے تمام ارکان وجاہت، شجاعت اور تقریر و گفتگو میں چوٹی کے لوگ تھے۔ اس وفدِ سفارت نے کسریٰ کے دربار میں پہنچ کر بڑی عمدگی سے گفتگو کی اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ یزدجرد مسلمانوں کی باتیں سن کر آپے سے باہر ہو گیا اور سفراء کو نہایت درشتی سے نکال دیا۔ یہاں تک

کہ ان میں سے ایک کے سر پر مٹی کی ایک ٹوکری اٹھوائی اور کہا کہ تم ہمارا ملک فتح کرنے آئے ہو لیکن تمہیں یہاں سے اس مٹی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی سفارت کے مدائن سے جاتے ہی یزدجرد نے رستم کو حکم بھیجا کہ ساباط سے چل کر قادسیہ پہنچو اور مسلمانوں کو کچل ڈالو۔

رستم نے ایک لاکھ اسّی ہزار فوج اور تین سو جنگی ہاتھیوں کے ساتھ ساباط سے قادسیہ کی طرف کوچ کیا اور نہایت سست روی سے چلتے ہوئے قادسیہ کے سامنے عتیق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہ ایک جہاندیدہ اور دوراندیش جرنیل تھا اور عربوں کی شجاعت اور پامردی سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ مسلمانوں سے صلح کی کوئی صورت نکل آئے اور وہ لڑائی کے بغیر ہی واپس چلے جائیں۔ چنانچہ اس نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو پیغام بھیجا کہ اپنا کوئی معتمد میرے پاس صلح کی گفتگو کے لیے بھیجو۔ حضرت سعدؓ نے پہلے حضرت ربعی بن عامرؓ اور پھر حضرت حذیفہؓ بن محصن کو سفیر بنا کر رستم کے پاس بھیجا لیکن ان دونوں سفارتوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ تیسری مرتبہ حضرت سعدؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ رستم نے نہایت اہتمام سے دربار سجایا۔ دور دور تک بیش بہا قالینوں کا فرش بچھوایا، راستے کے دونوں طرف نہایت اعلیٰ وردیوں میں ملبوس فوج کے دستے کھڑے کر دیئے اور خود امراء کے درمیان زرنگار تاج سر پر رکھ کر سونے کے تخت پر بیٹھا۔ حضرت مغیرہؓ معمولی لباس پہنے بڑی بے نیازی سے رستم کے دربار میں داخل ہوئے اور سیدھے رستم کے تخت پر اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس پر سارا دربار برہم ہو گیا اور چوبداروں نے آگے بڑھ کر حضرت مغیرہؓ کو تخت سے اتار دیا۔ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میں نے تو سنا تھا کہ اہلِ ایران بڑے مہذب اور ذی شعور لوگ ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک شخص کو خدا بنا کر تخت پر بٹھا دیتے ہیں اور پھر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم عربوں میں یہ دستور نہیں ہے۔ تم نے خود مجھے یہاں مہمان بنا کر بلایا ہے اس لیے میرے ساتھ تمہارا یہ سلوک کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اگر تمہارے یہی اعمال و اخلاق ہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے آخری دن آ گئے ہیں۔

رستم حضرت مغیرہؓ کی باتیں سن کر بہت نادم ہوا اور کہا، میں نے تمہیں اپنے پاس

سے اٹھانے کا حکم نہیں دیا تھا، یہ ملازموں کی غلطی تھی لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اپنی بوسیدہ تلوار اور ذرا ذرا سے تیروں کے ساتھ ہمارا کیا مقابلہ کرو گے؟

حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا "بے شک میری تلوار بوسیدہ ہے لیکن اس کی دھار کی تیزی پر مجھے پورا اعتماد ہے۔ رہے تیر تو سمجھ لو کہ شعلۂ آتش خواہ چھوٹا سا ہو پھر بھی آگ ہے اور اس کی خاصیت جلانا ہے۔"

اس نوک جھوک کے بعد رستم نے معاملہ کی بات شروع کی اور اپنی سلطنت کی شان و شوکت اور بے پناہ عسکری قوت کا ذکر کر کے کہا کہ تم لوگ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم تمہارا تعاقب نہیں کریں گے بلکہ تمہارے سپہ سالار اور فوج کے دوسرے تمام افسروں اور سپاہیوں کو ان کے حسبِ مرتبہ انعام دیا جائے گا۔

حضرت مغیرہؓ نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا، اگر تم دینِ حق قبول نہیں کرتے تو جزیہ دینا قبول کرو ورنہ تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

رستم حضرت مغیرہؓ کا جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے للکار کر کہا:

"آفتاب کی قسم اب ہرگز تم سے صلح نہ ہو گی، کل تم سب کو ہلاک کر دوں گا۔"

حضرت مغیرہؓ نے کہا: "بہت اچھا جو اللہ چاہے گا۔"

اس کے بعد وہ اپنے لشکر میں واپس آ گئے اور حضرت سعدؓ کو رستم کے عزائم سے مطلع کیا۔ انہوں نے اسی وقت مجاہدین کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ دوسرے دن مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان قادسیہ کی خونریز لڑائی کا آغاز ہو گیا جو تین دن تک جاری رہی اور ایرانیوں کی عبرت ناک شکست پر منتج ہوئی۔

۵

قادسیہ کے بعد حضرت مغیرہؓ نے عراقِ عرب کے کئی اور معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ۱۵ھ ہجری میں نو تعمیر شہر بصرہ کے گورنر حضرت عتبہؓ بن غزوان نے وفات پائی

تو امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت مغیرہؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ اپنی امارتِ بصرہ کے دوران میں انہوں نے کئی شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ میسان اور اس کے ملحقہ علاقوں کو بزورِ شمشیر مسخر کیا، پھر ایک دفتر قائم کیا جہاں سے سپاہیوں کو تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والوں کو وظیفے اور وثیقے ملتے تھے اور ان کا باقاعدہ رجسٹروں میں اندراج ہوتا تھا۔ اس زمانے میں ایک خاتون اُمِ جمیل حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے پاس وقتاً فوقتاً آتی تھی۔ اس کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا اور اس کا خاوند جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ شوہر کی شہادت کے بعد وہ مالی مشکلات میں مبتلا ہو کر بصرہ کے بڑے گھروں میں مدد کے لیے آتی جاتی تھی۔ حضرت مغیرہؓ کے پاس بھی اس کی آمدورفت اسی غرض سے تھی لیکن بعض لوگوں نے ان کو اُمِ جمیل سے متہم کر دیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ان کے خلاف شکایت کی۔ یہ شکایت ملنے پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا، میں تمہیں مغیرہ بن شعبہ کی جگہ بصرہ کا گورنر بناتا ہوں، میرا یہ خط مغیرہ کو دو اور بلا تاخیر انہیں مدینہ بھیج دو۔

اس خط میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت مغیرہؓ کو لکھا تھا کہ:

"مجھے ایک بُری خبر ملی ہے۔ میں ابو موسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں۔ انہیں حکومت کا چارج دے کر فوراً مدینہ پہنچو۔"

حضرت مغیرہؓ نے امیرالمؤمنینؓ کے حکم کی تعمیل کی اور بصرہ کی زمامِ حکومت حضرت ابُو موسیٰ اشعریؓ کے سپرد کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ امیرالمؤمنینؓ نے ان پر لگائی گئی تہمت کی تحقیق کی تو شہادت سے ان پر یہ الزام ثابت نہ ہو سکا۔ امیرالمؤمنینؓ کو ان کی بریت سے بڑی خوشی ہوئی لیکن انہوں نے حضرت مغیرہؓ کو دوبارہ بصرہ کی امارت پر بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور کچھ عرصہ بعد انہیں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی جگہ کوفہ کا والی بنا دیا۔ یہ ۲۱ھ کا واقعہ ہے۔ جنگِ نہاوند بھی اسی سال پیش آئی تھی۔ اہلِ سِیَر نے اس جنگ میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی شرکت کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔ یہ جنگ فی الحقیقت یزدجرد کی آخری کوشش تھی جو اس نے مسلمانوں کو ایران سے نکالنے کے لیے کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے

ایک آزمودہ کار ایرانی جرنیل مردان شاہ کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ فوج میدانِ جنگ میں جھونک دی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ایرانیوں کے اس جمِّ غفیر کی اطلاع ملی تو انہوں نے خود ایرانیوں کے مقابلے پر جانا چاہا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے مشورہ دیا کہ آپ کا مدینہ منورہ چھوڑنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کسی دوسرے افسر کی قیادت میں فوج روانہ کریں اور امرائے یمن، شام، کوفہ و بصرہ کے نام فرمان جاری کریں کہ وہ اپنی اپنی جمعیت (اپنی فوجوں کا کم از کم ایک ثلث) لے کر نہاوند کی طرف بڑھیں جہاں ایرانی لشکر نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ امیرالمؤمنینؓ نے یہ مشورہ مان لیا اور حضرت نعمانؓ بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے نہاوند کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے یہ ہدایت بھی کی کہ اگر لڑائی میں نعمانؓ بن مقرن شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ لشکر کی قیادت سنبھالیں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو جریرؓ بن عبداللہ بجلی امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہؓ بن شعبہ سپہ سالار ہوں گے۔

اسلامی لشکر نے نہاوند سے چند میل دور اسپدہان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اسی جگہ حضرت نعمانؓ بن مقرن کو مردان شاہ کا پیغام ملا کہ ہمارے ساتھ گفتگو کے لیے سفارت بھیجو۔ حضرت نعمانؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا کیونکہ اس سے پہلے وہ قادسیہ میں یہ کام نہایت حسن و خوبی سے انجام دے چکے تھے۔ مردان شاہ نے ان کے آنے سے پہلے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا، خود تاج پہن کر طلائی تخت پر بیٹھا اور اس کے دائیں بائیں ملک ملک کے امیر اور شہزادے پر تکلف لباس اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دُور دُور تک مسلح سپاہیوں کی صفیں کھڑی ہو گئیں جن کی چمکدار برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ حضرت مغیرہؓ نہایت سادہ کپڑوں میں ملبوس سیدھے دربار میں گھستے ہوئے چلے گئے۔ راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا تو انہوں نے کہا، سفیروں سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ درباری راستے سے ہٹ گئے اور وہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر مردان شاہ کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔

مردان شاہ نے مترجم کے ذریعے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بھوکی ننگی، بدبخت اور ناپاک قوم روئے زمین پر نہیں ہے۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت کے اردگرد کھڑے ہیں کب کا تمہارا فیصلہ کر دیتے لیکن تم لوگ اس قدر ذلیل ہو کہ میں نے ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون میں آلودہ کرنے گوارا نہ کیے۔ اب بھی اگر تم یہاں سے واپس چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا ورنہ تمہیں عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حضرت مغیرہؓ مردان شاہ کی متکبرانہ تقریر سے مطلق مرعوب نہ ہوئے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ بے شک ایک زمانہ میں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے جیسا کہ تم نے بیان کیا لیکن نبی آخر الزمانؐ نے ہم میں مبعوث ہو کر ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی اور ہماری کایا پلٹ دی۔ اب ہر طرف ہمارے لیے میدان صاف ہے۔ ہم تمہارا ملک اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک میدانِ جنگ میں ہماری لاشیں نہ بچھ جائیں۔۔۔ غرض سفارت بے نتیجہ رہی اور فریقین میں خوفناک لڑائی چھڑ گئی۔ ایک روایت کے مطابق اس جنگ میں حضرت مغیرہؓ اسلامی لشکر کے میسرہ کے افسر تھے۔ اگرچہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت نعمانؓ بن مقرن لڑائی میں شہید ہو گئے لیکن مسلمانوں کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی اور انہوں نے ایرانیوں کو کمر توڑ شکست دی۔ اس لڑائی کے بعد ایرانیوں نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا اس لیے عربوں نے اس فتح کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا غلام ابو لؤلؤ فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔ حضرت مغیرہؓ نے کچھ عرصہ بعد اسے دو درہم یومیہ خراج کی شرط پر آزاد کر دیا تھا۔

نہاوند کے بعد ایران پر عام لشکر کشی ہوئی۔ علامہ بلاذریؒ کے بیان کے مطابق ہمدان کی تسخیر کا کام حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے سپرد ہوا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ہمدان کا محاصرہ کر لیا۔ اہل ہمدان جلد ہی ہمت ہار بیٹھے اور صلح کی درخواست کی جو حضرت مغیرہؓ نے منظور کر لی (بعض دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہمدان حضرت نعیمؓ بن مقرن کے ہاتھ پر فتح ہوا۔)

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ۲۱ ہجری میں حضرت مغیرہؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ انہوں نے کوفہ پہنچ کر اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں تو امیر المومنینؓ نے انہیں خط

لکھا کہ شہر کے شاعروں کو بلاکر ان سے عہدِ جاہلی اور دورِ اسلام کا کلام سنو اور مجھے اس کی کیفیت لکھ بھیجو۔ یہ خط موصول ہونے پر حضرت مغیرہؓ نے تمام شاعروں کو جمع کیا۔ جب مشہور شاعر لبیدؓ بن ربیعہ کو اپنا کلام سنانے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا، جب سے اللہ نے مجھے بقرہ اور آلِ عمران کی سورتیں عطا کی ہیں شعروشاعری سے مجھے کوئی شغف نہیں رہا۔ اس کے بعد حضرت مغیرہؓ نے ایک دوسرے شاعر اغلب عجلی کو اپنا کلام سنانے کے لیے کہا تو اس نے کہا، رجز کے شعر سناؤں یا قصیدہ کے؟ میرے پاس ہر قسم کے اشعار موجود ہیں۔ دونوں شاعروں کے جواب سے حضرت عمر فاروقؓ کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے حضرت مغیرہؓ کو لکھا "اغلب کی تنخواہ سے پانچ سو درہم کم کر کے لبیدؓ کی تنخواہ میں بڑھا دو۔" اغلب کو امیر المومنینؓ کے اس حکم سے سخت تکلیف ہوئی اور اس نے دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ آپ نے تعمیلِ حکم کا خوب صلہ دیا کہ میری تنخواہ ہی کم کر ڈالی۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کی اور حضرت مغیرہؓ کو لکھا کہ اغلب کی تنخواہ بحال کر دو البتہ لبیدؓ کی تنخواہ میں جو اضافہ کیا ہے اسے برقرار رکھو۔

(۶)

مؤرخین نے عام طور پر یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو پہلے بصرہ اور پھر کوفہ کا والی بنایا تھا اور اس منصب پر وہ ان کی شہادت تک فائز تھے لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ انہیں بحرین کا گورنر بھی بنایا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ اہلِ بحرین بعض وجوہ کی بنا پر ان سے برگشتہ ہو گئے اور دربارِ خلافت میں ان کی شکایت کی۔ وہاں کے ایک زمیندار نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہؓ نے یہ رقم سرکاری محاصل سے خورد برد کر کے ہماری تحویل میں دی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت مغیرہؓ کو معزول کر دیا اور مدینہ منورہ بلا کر ان سے باز پرس کی۔ اہلِ بحرین نے حضرت مغیرہؓ پر جو تہمت لگائی تھی وہ بالکل من گھڑت تھی لیکن انہوں نے ان کے خلاف کئی جھوٹے گواہ پیش کر دیئے۔ حضرت مغیرہؓ بہت ذہین و فطین آدمی تھے وہ اپنے

خلاف کی گئی سازش کی تہہ تک پہنچ گئے اور فوراً کہا، میں نے دو لاکھ جمع کیے تھے، ایک لاکھ اس زمیندار نے ہضم کر لیے۔ یہ سُن کر زمیندار کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے حلف اٹھا کر اپنی صفائی پیش کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سارے معاملہ کی چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت مغیرہؓ کو بدنام کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور ان کا دامن بالکل پاک و صاف ہے تاہم انہوں نے حضرت مغیرہؓ سے پوچھا کہ تم نے دو لاکھ کے غبن کا اقرار کیوں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا، امیر المؤمنین ان لوگوں نے مجھ پر ناحق جھوٹی تہمت لگائی تھی۔ ان کے جھوٹ کا پردہ فاش کرنے کے لیے میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

(۷)

محرم ۲۴ھ ہجری کے آغاز میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے ابو لؤلؤ فیروز کے لگائے ہوئے زخموں سے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ اس وقت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے ملکی نظم ونسق میں اس وقت کے حالات کے مطابق تبدیلیاں کیں اور مختلف صوبوں کے نئے گورنر مقرر کیے تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح عراقِ عرب (یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ) کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ معزولی کے بعد حضرت مغیرہؓ ارمینیہ چلے گئے اور کچھ مدت وہاں گزارنے کے بعد مدینہ منورہ واپس آئے۔ اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت مغیرہؓ ارمینیہ کس غرض سے گئے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فوج میں شامل ہو کر ارمینیہ گئے جو حضرت عثمانؓ نے اہلِ ارمینیہ کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں نے خراج ادا کرنا بند کر دیا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو ارمینیہ کی مہم کا امیر بنایا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت مغیرہؓ بھی جہاد کے لیے ارمینیہ گئے اور مہم کی کامیابی کے بعد مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کے پورے عہدِ خلافت میں گوشہ نشین رہے، لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ مسجد میں گزارتے تھے۔ ۳۵ھ ہجری کے اواخر میں مفسدہ پردازوں نے امیرالمؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور اس میں بڑی سختی برتی۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اگرچہ دل وجان سے امیرالمؤمنینؓ کے حامی تھے لیکن عملاً کچھ کرنے سے مجبور تھے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ اثنائے محاصرہ میں وہ ایک دن امیرالمؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

"امیرالمؤمنین آپ جمہور کے امام برحق ہیں اور آپ کو اس مشکل صورتِ حال کا سامنا ہے۔ میں اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تین باتیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے ایک کو اختیار کیجئے، محاصرہ کرنے والوں سے جنگ کیجئے آپ کے حامیوں اور جاں نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے آپ ان کو لے کر نکلیے اور باغیوں کو بزورِ نکال باہر کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور محاصرین باطل پر۔ عام لوگ حق کا ساتھ دیں گے۔

اگر یہ منظور نہیں تو مکان کی دیوار توڑ کر دوسرا دروازہ نکلوائیے اور اس میں سے باہر نکل جائیے وہاں اونٹ آپ کو تیار ملیں گے ان پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جائیے وہاں یہ لوگ نہ لڑ سکیں گے کہ آخر یہ حرمِ الٰہی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شام چلے جائیے وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہؓ موجود ہیں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

"میں باہر نکل کر جنگ نہیں کرنا چاہتا اس سے اُمت میں خونریزی کی بنیاد پڑے گی اور میں اس کی بنیاد نہیں قائم کرنا چاہتا۔ اگر مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرمِ کعبہ کی توہین نہ کریں اور خونریزی سے باز آجائیں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو مکہ معظمہ کی بے حرمتی کا باعث ہوگا۔ شام جانے میں مجھے

یہ عذر ہے کہ میں دار الہجرۃ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو چھوڑنا گوارا نہیں کر سکتا۔"

پاک نفس امیر المؤمنینؓ کا جواب سن کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ خاموش ہو گئے لیکن افسوس کہ بدبخت باغیوں نے امیر المؤمنینؓ کی پاک نفسی اور خیر خواہیٔ اُمت کی قدر نہ کی اور ۱۸ ذوالحج ۳۵ھ ہجری کو دیوار پھلانگ کر انہیں نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

⑧

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ شروع شروع میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامی اور طرفدار تھے۔ وہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت اخلاص کے ساتھ مشورہ دیا:

"اے امیر المؤمنین آپ کی اطاعت اور خیر خواہی مجھ پر فرض ہے اور آپ ہی لوگوں میں صاحبِ خیر وصلاح رہ گئے ہیں۔ حال سے مستقبل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آج کا کھونا کل کا کھونا ہے۔ معاویہؓ، عبداللہ بن عامرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دوسرے عُمّال کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھیے یہاں تک کہ آپ کو ان کی بیعت واطاعت حاصل ہو جائے تو پھر آپ جسے چاہیں معزول کر دیں اور جسے چاہیں برقرار رکھیں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت مغیرہؓ کا مشورہ قبول نہ کیا اور فرمایا:

"میں دین کے معاملے میں کسی مداہنت کا قائل نہیں۔"

اس پر حضرت مغیرہؓ نے کہا، "اگر آپ میری بات نہیں مانتے تو جسے چاہے معزول کر دیجئے لیکن معاویہؓ کو شام کی امارت پر برقرار رکھیے کیونکہ وہ جری آدمی ہے اور اہلِ شام اس کی بات مانتے ہیں۔ اس کے برقرار رکھنے میں آپ کے پاس یہ دلیل ہو گی کہ

عمرؓ بن خطاب نے اس کو شام کا والی بنایا تھا۔"
حضرت علیؓ نے فرمایا، "نہیں، خدا کی قسم میں معاویہ کو دو دن بھی نہ رہنے دوں گا"۔
حضرت مغیرہؓ امیر المؤمنینؓ کا جواب سن کر خاموشی سے چلے گئے۔ ایک روایت کے مطابق دوسرے دن انہوں نے حضرت علیؓ کے رجحان کے مطابق اپنی رائے ظاہر کی لیکن ذاتی طور پر ان کو وہی بات پسند تھی جس کا اظہار انہوں نے پہلے دن امیر المؤمنینؓ کے سامنے کیا تھا چونکہ ان کو حضرت علیؓ کی حکمتِ عملی سے اتفاق نہ تھا اس لیے خاموشی سے مکہ معظمہ چلے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے طائف جا کر مقیم ہو گئے۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا عہدِ خلافت (۳۵ھ تا ۴۰ھ) بالکل الگ تھلگ رہ کر گزارا۔ نہ کسی فریق کی طرف سے جنگِ جمل میں شریک ہوئے اور نہ جنگِ صفین میں۔

ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان معاہدۂ تحکیم طے پایا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (حضرت علیؓ کے حَکَم) اور حضرت عمروؓ بن العاص (امیر معاویہؓ کے حَکَم) دومۃ الجندل میں یکجا ہوئے تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ طائف سے دومۃ الجندل پہنچے اور حَکموں کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے جب فیصلے میں دیر ہوئی تو وہ دومۃ الجندل سے دمشق گئے اور امیر معاویہؓ سے ملاقات کی امیر معاویہؓ نے ان سے کہا، آپ اپنی رائے کے مطابق مجھے مشورہ دیں۔

حضرت مغیرہؓ نے کہا۔ "اگر میں آپ کو مشورہ دینے والا ہوتا تو آپ کے ہمراہ ہو کر جنگ کیوں نہ کرتا البتہ دونوں حَکموں کا جو حال ہے وہ آپ جاننا چاہیں تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں۔"

امیر معاویہؓ نے کہا، "ضرور بتلایئے۔"

حضرت مغیرہؓ بولے :۔ "میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے تخلیہ میں ملا اور ان سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو غیر جانبدار رہا اور خونریزی سے متنفر ہونے کے باعث گھر میں بیٹھا رہا۔"

انہوں نے جواب دیا، "ایسے اشخاص بہترین انسان ہیں ان کی پیٹھ پر اپنے

بھائیوں کے خون کا بوجھ نہیں اور ان کے پیٹ اپنے بھائیوں کے اموال سے گرانبار نہیں۔"

پھر میں عمرؓو بن العاص سے علیحدگی میں ملا اور ان سے پوچھا!

" اے ابو عبداللہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو ان لڑائیوں سے کنارہ کش رہا۔"

انہوں نے جواب دیا: " ایسے افراد بدترین انسان ہیں نہ حق کے حامی نہ باطل کے حریف۔"

میرا خیال تو یہ ہے کہ ابو موسیٰؓ اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) کو خلافت سے دستبردار ہونے کے لیے کہیں گے اور کسی ایسے شخص کو خلافت کے لیے نامزد کریں گے جو ان جنگوں میں شریک نہ تھا۔ شاید وہ عبداللہ بن عمرؓ کو نامزد کردیں۔ رہے عمرؓو بن العاص تو ہو سکتا کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے عبداللہؓ کو خلافت کا حقدار قرار دیں۔

امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کی باتوں کا خاص اثر لیا اور ان کی اصابتِ رائے کے قائل ہو گئے لیکن وہ ایک بردبار اور صاحبِ تدبیر شخص تھے اس موقع پر انہوں نے معاہدۂ تحکیم میں کوئی تبدیلی کرنا مناسب نہ سمجھا اور حضرت عمرؓو بن العاص کو حسبِ معاہدہ اپنا حَکم بنائے رکھا۔ افسوس کہ تحکیم کا کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہ ہوا اور حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش بدستور جاری رہی۔ ۴۰ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ ان کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے لیکن چھ ماہ کے بعد حالات سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس طرح ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ تمام عالمِ اسلام کے بلا شرکتِ غیرے فرمانروا ہو گئے۔

(۹)

حضرت امیر معاویہؓ بڑے مردم شناس اور دور اندیش حکمران تھے مسندِ خلافت پر بیٹھ کر انہیں مختلف صوبوں کے لیے بااثر اور صاحبِ تدبیر حکام کی ضرورت محسوس ہوئی تو

انہوں نے ایسے اصحاب کو منتخب کیا جو فہم و فراست اور تدبیر و سیاست کے اعتبار سے اپنا جواب آپ تھے۔ ان کو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی صلاحیتوں کا بخوبی علم تھا اس لیے انہیں کوفہ کے اہم صوبہ کا گورنر مقرر کیا۔ امارتِ کوفہ پر فائز ہو کر حضرت مغیرہؓ نے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت حسن و خوبی سے پورا کیا اور اپنے ناخنِ تدبیر سے کئی اہم گتھیوں کو سلجھایا۔ سب سے پہلے انہیں شبیب بن بجرہ خارجی کے فتنہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کرنے کی سازش میں شریک تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہ امیر معاویہؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے اور ابنِ ملجم نے مل کر حضرت علیؓ کو قتل کیا ہے اس لیے میں انعام و اکرام کا مستحق ہوں۔ امیر معاویہؓ اس کی بات سن کر گھر چلے گئے اور قبیلہ اشجع کو کہلا بھیجا کہ شبیب کو فوراً شہر سے نکال دو ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔ (اس وقت امیر معاویہؓ کوفہ میں مقیم تھے)۔ شبیب کے کانوں میں امیر معاویہؓ کے حکم کی بھنک پڑ گئی اور وہ روپوش ہو گیا۔ اب اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ رات کو اپنی قیامگاہ سے نکلتا اور جو سامنے آتا اسے قتل کر کے بھاگ جاتا۔ حضرت مغیرہؓ نے امارتِ کوفہ کی ذمہ داری سنبھالتے ہی خالد بن عرفطہ کو سواروں کا ایک دستہ دے کر شبیب کی سرکوبی پر مامور کیا۔ خالد نے شبیب اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ انہوں نے زبردست مقابلہ کیا لیکن ایک ایک کر کے سب مارے گئے۔

امارتِ کوفہ کے دوران میں حضرت مغیرہؓ کا ایک بڑا کارنامہ زیاد بن ابیہ کو امیر معاویہؓ کے حلقۂ اطاعت میں لانا ہے۔ زیاد کا شمار مدبرینِ عرب میں ہوتا تھا۔ وہ امیر معاویہؓ کا سخت مخالف تھا اور حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا والی تھا۔ سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کے بعد گو امیر معاویہؓ سارے عالمِ اسلام کے خلیفہ ہو گئے تھے لیکن زیاد نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب امیر معاویہؓ اس کی طرف سے بہت فکرمند ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت مغیرہؓ ان سے ملنے دمشق آئے تو امیر معاویہؓ نے زیاد کی طرف سے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔

حضرت مغیرہؓ نے کہا، زیاد کو ہموار کرنے کا کام مجھ پر چھوڑ دیجیے۔
اس کے بعد وہ زیاد کے پاس گئے اور اس کو سمجھایا کہ حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کے بعد تمام عالمِ اسلام نے امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کرلی ہے اب تمہارا ان کے حلقۂ اطاعت سے باہر رہنا کسی صورت میں قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم ان سے مصالحت کرلو وہ یقیناً تمہارے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے۔
زیاد نے حضرت مغیرہؓ کا مشورہ قبول کرلیا اور ان سے کہا کہ امیر معاویہؓ اس کو تحریری امان نامہ بھیج دیں تو وہ ان کے پاس حاضر ہو جائے گا۔ حضرت مغیرہؓ نے امیر معاویہؓ کے پاس جاکر زیاد سے اپنی ملاقات کا حال بتایا۔ انہوں نے فوراً اس کو امان نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ زیاد یہ امان نامہ ملتے ہی امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ان کی بیعت کرلی۔ پھر ان سے کوفہ میں رہنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت دے دی مگر حضرت مغیرہؓ کو لکھ بھیجا کہ زیاد اور حضرت علیؓ کے دوسرے حامیوں حجرؓ بن عدی سلیمانؓ بن صرد الخزاعی، شیث بن ربعی وغیرہ کی نگرانی رکھیں۔ یہ واقعہ ۴۲ھ کا ہے۔
حضرت مغیرہؓ ۴۱ھ میں کوفہ کے امیر ہو کر آئے تو اہلِ کوفہ تین گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔

۱۔ حامیانِ بنو امیہ :۔۔۔ یہ لوگ صدقِ دل سے امیر معاویہؓ کے وفادار تھے۔
۲۔ شیعانِ علیؓ :۔۔۔ یہ لوگ خلافت کا حق حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے لیے مخصوص سمجھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو ان کے نزدیک جائز خلیفہ نہیں تھے لیکن مصلحتِ وقت کے تحت انہوں نے گردنِ اطاعت خم کرلی تھی۔
۳۔ خوارج :۔۔۔ یہ لوگ بنی امیہ اور شیعانِ علیؓ دونوں کے مخالف تھے اور ان کو دین سے خارج سمجھتے تھے۔

حضرت مغیرہؓ نے کوفہ پہنچ کر رفق و ملاطفت کی حکمتِ عملی اختیار کی۔ وہ کسی شخص سے اس کے عقیدے یا سیاسی خیالات اور رجحان کی بنا پر کوئی تعرض نہ کرتے تھے البتہ کوئی شخص امن و امان میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا تو اس کو روکنے کی پوری

کوشش کرتے۔ لوگ ان سے آکر کہتے کہ فلاں شخص خارجی عقیدہ رکھتا ہے یا شیعی خیال کا ہے تو وہ جواب دیتے "یہ تقدیر الٰہی ہے کہ اس کے بندوں کے خیالات میں اختلاف ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے اختلافات کا خود فیصلہ کرے گا۔"

حضرت مغیرہؓ کی نرم اور مرنجاں مرنج روش کے باوجود خوارج چین سے نہ بیٹھے اور انہوں نے ۴۳ھ میں مستورد بن علقمہ کی سرکردگی میں بڑا سخت فتنہ برپا کیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ حیان بن ظبیان کے مکان پر جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ عید الفطر (۴۳ھ) کے دن حکومت کے خلاف لڑائی کا آغاز کیا جائے۔ حضرت مغیرہؓ کو ان کے منصوبے کا علم ہوا تو ان کے حکم سے حیان بن ظبیان کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مستورد اور اس کے کچھ ساتھی بچ کر نکل گئے اور باقی گرفتار ہو گئے۔

مستورد نے کوفہ سے نکل کر اپنے حامیوں کو جمع کیا اور عَلَم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت مغیرہؓ نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے خوارج کے خلاف پُرزور تقریر کی اور ان سے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے مدد چاہی۔ پھر انہوں نے ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ شیعانِ علیؓ خوارج کا قلع قمع کرنے میں سب سے زیادہ سرگرم ہو گئے اور انہوں نے متعدد معرکوں کے بعد مستورد اور اس کے بیشتر ساتھیوں کو ہلاک کر کے اس فتنے کو وقتی طور پر ختم کر دیا۔

حضرت حجرؓ بن عدی کوفہ کے بااثر حامیانِ علیؓ میں سے تھے۔ ان کی بے باکانہ روش حضرت مغیرہؓ کے لیے پریشانی کا باعث تو بنی لیکن انہوں نے ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا۔ ایک دن وہ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حجرؓ بن عدی دورانِ خطبہ میں کھڑے ہو گئے اور با آوازِ بلند کہا:-

"اے شخص تو نے ہمارے وظیفے بند کر دیے ہیں۔ تجھے اس کا حق نہ تھا تو ہمارے وظیفے جاری کر اور علیؓ کے خلاف کوئی بات نہ کر۔"

اس پر دو تہائی نمازی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، حجرؓ نے ٹھیک کہا، ہمارے وظیفے جاری کرو۔

حضرت مغیرہؓ خاموشی سے منبر سے اتر آئے۔ ان کا یہ طرزِ عمل ان کے ساتھیوں کو

پسند نہ آیا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ آپ کی نرمی سے حجرؓ بن عدی بہت دلیر ہو گئے ہیں۔ اس قسم کی نرمی سے حکومت کا رعب زائل ہو جائے گا۔ امیرالمؤمنین کو آپ کی حد سے زیادہ کریمانہ روش کا علم ہوا تو وہ بھی اسے ناپسند کریں گے۔

حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا۔ "تم سمجھتے نہیں، میں نے تو حجر کو قتل کر دیا ہے۔ میری نرمی سے وہ حکومت کی مخالفت پر جری ہو گئے ہیں۔ میرے بعد جو امیر آئے گا اس کے زمانے میں بھی وہ یہی رویّہ اختیار کریں گے اور وہ ان کو قتل کرائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ میں اپنے ہاتھ حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے خون سے آلودہ کر کے انہیں سعید اور اپنے آپ کو شقی نہیں بنانا چاہتا۔"

اس واقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ کوفہ میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ حضرت مغیرہؓ بھی اس میں مبتلا ہوئے اور پیکِ اجل کو لبیک کہا (۵۰ھ ہجری) اس وقت ان کی عمر ستر برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے عروہؒ، حمزہؒ اور عقارؒ۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے:

سر بڑا، لمبے بازو، سینہ اور شانے کشادہ۔ لب پیوستہ، بال بھورے

⑩

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا شمار ان اصحابِؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا ہے جن کی ذہانت و فطانت اور تدبیر و سیاست کا سبھی موافق و مخالف اربابِ سِیَر و تاریخ نے اعتراف کیا ہے۔ عقل و دانش کے اعتبار سے وہ دُھاۃِ عرب کی صف کے آدمی تھے اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کی بدولت "مغیرۃ الرائے" کے نام سے مشہور تھے۔

"مستدرکِ حاکم" میں ہے کہ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات کو سلجھانے میں وہ بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔ جب کسی معاملے میں کوئی رائے قائم کرتے تو وہی درست ثابت ہوتی۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں قبیصہ بن جابر کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

میں طویل مدت تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا میں نے ان کو اتنا زیرک اور صاحب تدبیر پایا کہ اگر کسی شہر کے اس قسم کے آٹھ دروازے ہوتے کہ ان میں کسی ایک دروازے سے بھی ہنرمندی اور ہوشیاری کے بغیر گزرنا محال ہوتا تو مغیرہؓ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے۔

بہت سے مؤرخین نے لکھا ہے کہ اپنی امارتِ کوفہ کے دوران میں وہ ایک مرتبہ دمشق گئے تو امیر معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں جو اختلاف اور خون خرابے ہوئے ان سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ اپنے فرزند یزید کو اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین نامزد کر دیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو وہ مسلمانوں کے لیے پشت و پناہ ثابت ہو اور امرِ خلافت میں اختلاف اور فساد و خونریزی کا امکان نہ رہے۔

امیر معاویہؓ نے اس وقت تو یہ مشورہ قبول کرنے میں تامّل کیا لیکن چند سال بعد (جب مغیرہؓ وفات پا چکے تھے) انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

بعض مؤرخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ امیر معاویہؓ حضرت مغیرہؓ کو بعض وجوہ کی بناء پر کوفہ کی امارت سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے معزولی سے بچنے کے لیے دمشق جا کر حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دیا اور ساتھ ہی اہلِ کوفہ کو اس کے حق میں ہموار کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ بلاشبہ یہ اس معاملے کا تاریک پہلو ہے لیکن اس کا روشن پہلو بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضرت مغیرہؓ نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ اس وقت عالمِ اسلام کا اتحاد دمشق کی مرکزی قوت کو برقرار رکھنے ہی سے قائم رہ سکتا ہے اگر امیر معاویہؓ یکایک وفات پا جائیں تو ان کی جانشینی کے سوال پر جھگڑے اور خونریزی کا قوی امکان ہے جس سے مسلمانوں کی قوت پارہ پارہ ہو سکتی ہے۔ بہرصورت انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق نیک نیتی سے اپنا خیال ظاہر کیا۔ یہ مشورہ غلط تھا یا صحیح، یہ ایک الگ بحث ہے اور ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

حضرت مغیرہؓ نو سال تک کوفہ کے والی رہے اس دوران میں انہوں نے ہمیشہ نرمی اور صلح و آشتی کا طرزِ عمل اختیار کیا۔ خوارج کے خلاف صرف اسی وقت ہتھیار اٹھائے

جب انہوں نے امن داماں کو درہم برہم کیا۔

حضرت حجرؓ بن عدی علانیہ حکومت کے مخالف تھے لیکن ان کی مخالفت صرف باتوں تک محدود تھی اس لیے حضرت مغیرہؓ نے ان پر کوئی سختی نہ کی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ تاہم انہوں نے حضرت حجرؓ کے بارے میں جو پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد کوفہ بھی زیاد والئی بصرہ کے ماتحت کر دیا گیا تو زیاد نے حضرت حجرؓ بن عدی کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دیا گیا جہاں انہیں قتل کرا دیا گیا۔

اپنی امارتِ کوفہ کے زمانے میں حضرت مغیرہؓ خود کہا کرتے تھے کہ میں اہلِ کوفہ کے خون سے ہاتھ رنگ کر انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی نہیں بنانا چاہتا۔ میں نکوکار کو اچھا بدلہ دوں گا اور غلط کار سے درگزر کروں گا۔ اچھی بات کرنے والے کی تعریف کروں گا اور نادان کو سمجھاؤں گا یہاں تک کہ قضا کا تیر میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے۔ اہلِ کوفہ کو میرے بعد جب کسی دوسرے حاکم سے واسطہ پڑے گا تو میں ان کو بہت یاد آؤں گا۔

کوفہ کے ایک شیخ نے ان کی وفات کے بعد کہا، خدا کی قسم ہم نے انہیں آزمایا تو انہیں بہترین امیر پایا، وہ نکوکار کے مداح خطاکار کو معاف کرنے والے اور عذر خواہ کے عذر کو قبول کر لینے والے تھے۔

امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ مغیرہؓ بن شعبہ کے بعد ان جیسا کوئی والی نہ آیا وہ سلفِ صالحین کا بقیہ تھے۔

(۱۱)

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ صرف ایک مجاہد اور مدبر ہی نہیں تھے بلکہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑے بلند رتبہ پر فائز تھے ان سے ۱۳۳ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے ارشد تلامذہ میں تینوں فرزندوں کے علاوہ حضرت مسورؓ بن مخرمہ، قیس بن ابی حازمؒ، عروہؒ بن زبیرؓ اور مسروق بن اجدعؒ کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے مروی چند احادیث بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں:

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے، ماؤں کی نافرمانی کرنا، واجب الادا حقوق کو ادا نہ کرنا، جو اپنا حق نہ ہو لوگوں سے طلب کرنا اور لڑکیوں کو زندہ گاڑنا اور ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے فضول گفتگو کرنا اور بہت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

(صحیح بخاری)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اس قدر طویل قیام کیا کہ آپ کے پاؤں پر ورم ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کی اگلی پچھلی سب تقصیریں معاف ہو گئی ہیں۔ (یعنی آپ کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر دی ہے) آپ نے فرمایا، کیا میں زیادہ شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیحین)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خاص اس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم رض کا انتقال ہوا، سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو یہ گہن ابراہیم رض کے انتقال کر جانے کی وجہ سے لگا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سمع اقدس تک یہ بات پہنچی تو آپ) نے فرمایا، سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ کے حضور میں نماز پڑھو اور اس سے خوب دعا کرو۔ (صحیحین)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن صراط (پل) پر اہلِ ایمان کا شعار (یعنی ان کا امتیازی وظیفہ) یہ دعائیہ کلمہ ہو گا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ (اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامت رکھ اور سلامتی کے ساتھ پار لگا) (ترمذی)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یوں فرماتے

اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

(کوئی خدا نہیں مگر اللہ وہی اکیلا خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ساری خوبیاں ہیں اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اے اللہ اگر تو عنایت کرنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور تو روکنا چاہے تو کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور تیرے مقابلہ میں کسی مرتبہ اور منصب والے کو اس کا مرتبہ اور منصب کوئی فائدہ نہیں دے سکتا)

(صحیحین)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ ایک روز آپؐ فجر سے پہلے رفع حاجت کے لیے گئے۔ میں آپؐ کے لیے پانی کی چھاگل لے گیا۔ جب آپؐ واپس آئے تو میں نے آپؐ کے ہاتھوں پر چھاگل سے پانی ڈالنا شروع کیا۔ پس آپؐ نے دونوں ہاتھوں اور منہ کو دھویا۔ اس وقت آپؐ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ آپؐ نے جبہ کی آستینوں کو چڑھا کر ہاتھوں کو نکالنا چاہا لیکن آستینیں تنگ تھیں پس آپؐ نے جبہ کے اندر سے ہاتھ نکال لیے اور جبہ کو مونڈھوں پر ڈال لیا اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر آپؐ نے پیشانی پر اور عمامہ پر مسح کیا۔ پس میں نے آپؐ کے پاؤں سے موزے نکالنے کا ارادہ کیا تاکہ آپؐ پاؤں کو دھوئیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ موزوں کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے ان کو پاکیزگی کی حالت میں (یعنی پاؤں دھو کر) پہنا ہے۔ پس آپؐ نے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ پھر آپؐ سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا۔ ہم اپنی قوم (مجاہدین) میں پہنچے تو وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف ان کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت وہ پڑھا چکے تھے۔ ان کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا علم ہوا تو انہوں نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے ان کو (اپنی جگہ قائم رہنے کا) اشارہ کیا۔ پس آپؐ نے ان کے پیچھے ایک رکعت نماز

پڑھی پھر جب انہوں نے سلام پھیرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور جو رکعت رہ گئی تھی ہم نے اس کو پورا کیا۔ (صحیح مسلم)

○ قبولِ اسلام سے پہلے میں ایک دفعہ قبیلہ بنو مالک کے ساتھ مقوقس (شاہ مصر) کے پاس گیا۔ اس نے ہم سے پوچھا، کیا تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتوں پر عمل کیا۔ ہم نے کہا، ہم میں سے تو کسی نے ان کی بات نہیں مانی۔ اس نے کہا "کیوں؟"

ہم نے کہا۔ "اس لیے کہ وہ ایک ایسا انوکھا دین لے کر آئے ہیں جس کو نہ ہمارے بڑوں نے مانا نہ ملک اس کو مانتا ہے اور ہم تو اپنے بڑوں ہی کے دین پر قائم ہیں۔"

اس نے پوچھا کہ اچھا تو اس کی قوم کے لوگوں نے کیا کیا؟

ہم نے کہا۔ "نوجوانوں نے تو اس کو مان لیا ہے جو مخالف تھے انہوں نے آپؐ سے جنگ کی۔ نتیجہ میں کبھی ان کو شکست ہوئی کبھی آپؐ کو۔"

پھر اس نے پوچھا۔ "اچھا یہ تو بتاؤ وہ کن باتوں کی دعوت دیتا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "اس کی کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور جن بتوں کی ہمارے بزرگ عبادت کرتے آئے ہیں ان کو فوراً چھوڑ دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔"

اس نے کہا۔ "نماز اور زکوٰۃ کیا چیز ہے؟ کیا اس کا کوئی وقت مقرر ہے جس کو لوگ جانتے ہوں اور کوئی مقرر عدد بھی ہے؟"

ہم نے کہا۔ "وہ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں اور ان کا الگ الگ وقت مقرر ہے"۔ پھر ہم نے زکوٰۃ و صدقہ کی تفصیل بتائی۔

مقوقس نے پوچھا۔ "یہ زکوٰۃ و صدقہ لوگوں سے وصول کر کے وہ کہاں خرچ کرتے ہیں؟"

ہم نے کہا۔ "جن کے مالداروں سے وصول کرتے ہیں انہی کے فقیروں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور عزیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور عہد پورا کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ زنا اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور بجز اللہ

کے نام کے کسی اور کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے۔

یہ سُن کر مقوقس نے کہا "خوب سن لو کہ یہ اللہ کے برحق نبی ہیں جن کو اللہ نے سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر وہ مصر اور روم کے پاس بھی پہنچیں گے تو لوگ ان کا اتباع کریں گے کیونکہ عیسیٰؑ ابن مریمؑ بھی ان کے اتباع کا حکم دے گئے ہیں اور جو جو باتیں تم لوگ بیان کر رہے ہو ان ہی سب باتوں کو لے کر پہلے انبیاءؑ بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ یقین رکھو کہ نتیجہ ان ہی کے موافق نکلے گا یہاں تک کہ کسی کو یہ طاقت نہ ہو گی کہ ان کا مقابلہ کر سکے۔ خشکی و تری کے آخری حصوں تک ان کا غلبہ ہو جائے گا ——"

مگر یہ سب کچھ سُن سنا کر ہم نے کہا:

"اگر سب لوگ بھی ان کے ساتھی ہو جائیں ہم پھر بھی ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔"

یہ سُن کر مقوقس نے ناگواری سے سر ہلایا اور کہا، تم لوگ بڑی غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ اس کے بعد اُس نے پوچھا:

"اپنی قوم میں اس کا خاندان کیسا ہے؟"

ہم نے جواب دیا —— "سب سے بہتر"

اس نے کہا: —— "اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے خاندان بھی بہترین تھے۔"

پھر اس نے پوچھا: —— "اس کی راست گوئی کی کیا کیفیت ہے؟"

ہم نے جواب دیا —— "وہ اپنی راست گوئی کی وجہ سے اپنی قوم میں "امین" کے لقب سے مشہور ہے۔"

اس نے کہا —— "اب تم ہی غور کر لو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ جو شخص باہمی معاملات میں راستباز ہو وہ اللہ کی ذات پر جھوٹ بول سکتا ہے۔"

پھر اس نے پوچھا: —— "یثرب کے یہودیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے کیونکہ وہ لوگ توریت کے ماننے اور جاننے والے ہیں۔"

ہم نے کہا —— "انہوں نے تو اس کی مخالفت کی ہے اور اس وجہ سے انہوں نے سزا

بھی پائی ہے۔ بعض قتل کیے گئے ہیں اور بعض کو یثرب سے نکال دیا گیا ہے۔"
مقوقس نے کہا ـــــــ "یہ لوگ تو ہمیشہ سے بڑے حاسد ہیں انہوں نے اس پر بھی
حسد کیا ہے ورنہ یہ لوگ اس کی صداقت کو پہچانتے ہیں۔"
ہم مقوقس سے ایسی باتیں سن کر دربار سے اٹھے تو ہمارے حوصلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے سامنے پست ہو گئے اور ہم نے دل میں کہا کیا غضب ہے کہ شاہانِ عجم تو اس کے ساتھ
نسب اور رشتے کا دُور کا تعلق بھی نہ رکھتے ہوئے اس کی تصدیق کریں اور اس سے خوف
کھائیں اور ہم اس کے عزیز و اقارب اور پڑوسی ہوتے ہوئے بھی اس کا دین قبول نہ کریں۔
بالخصوص جب کہ وہ خدا کا داعی بن کر ہمارے گھروں میں خود آیا ہے۔
اس واقعہ کے بعد میں سکندریہ گیا اور ایک ایک گرجے میں جا کر وہاں کے پادریوں سے
خواہ وہ مصری تھے یا رومی، ان علامات کی تحقیق کی جو یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتب سابقہ
میں دیکھتے چلے آئے تھے ان میں ایک مصری پادری تھا جو کنیسہ یوحنس میں سب سے بڑا سردار
سمجھا جاتا تھا میں نے اس سے بڑھ کر کوئی عابد و زاہد شخص نہیں دیکھا لوگ اپنے مریضوں کو لے
کر اس کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ ان کی صحت کے لیے دعا کیا کرتا تھا، میں اس کی خدمت
میں پہنچا اور اس سے پوچھا، کیا انبیاء (علیہم السلام) میں کوئی ایسا نبی رہ گیا ہے جس کی
آمد ابھی باقی ہو۔ وہ بولا، ہاں ایک نبی باقی ہے اور وہی آخری نبی ہے اس کے اور عیسیٰ علیہ السلام
کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا اتباع کرنے کا ہم کو
حکم دیا ہے۔ وہ ایسا نبی ہے جس نے کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی، عرب کا رہنے
والا ہے۔ نام اس کا احمدؐ ہے، نہ حد سے زیادہ دراز قامت نہ کوتاہ قامت اس کی آنکھوں
میں سرخ سرخ ڈورے ہیں نہ چونے جیسا سفید رنگ نہ بالکل گندم گوں، زلفیں رکھنے
والا، موٹا جھوٹا سادہ لباس پہننے والا، بچا کھچا کھا لینے والا، جہاد کے لیے تیار، اپنے
مقابل دشمن کی پروا نہ کرنے والا، جنگ میں خود شریک ہونے والا، اس کے ساتھی سو
جان سے اس پر قربان، اپنی اولاد اور والدین سے زیادہ ان پر شفیق۔ ایک حرم سے نکل کر
دوسرے حرم کی طرف ہجرت کرنے والا جس میں زمین کا ایک حصہ شور اور دوسرے میں کھجور

کے باغ اور حضرت ابراہیمؑ کے دین پر اس کا دین - پنڈلیوں تک تہہ بند باندھنے والا، اپنے ہاتھ پیر اور چہرے کو دھونے والا اور ایک ایسی خصوصیت کا مالک جو اس سے قبل انبیاء علیہم السلام میں نہ تھی یعنی ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہو کر آیا اور وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہو گا - تمام زمین اس کے لیے مسجد اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دی جائے گی یعنی جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جائے گا اسی جگہ (اگر پانی نہ ہوا تو) تیمم کر کے نماز ادا کرے گا اس سے قبل انبیاء پر اس بارے میں تنگی تھی وہ گرجوں اور دوسری عبادت گاہوں کے سوا کسی اور جگہ نماز ادا نہیں کر سکتے تھے -

میں نے اس قسم کی باتیں اس پادری کی زبانی اور دوسروں کی زبانی بھی سنیں تو مجھے اسلام کی حقانیت پر یقین آگیا - میں مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گیا - حضورؐ کی خدمت میں تمام واقعات بیان کیے تو آپؐ کو بہت پسند آئے اور آپؐ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو بھی ان سے آگاہ کیا جائے - چنانچہ میں اس حدیث کو (وقتاً فوقتاً) صحابۂ کرامؓ کے سامنے بیان کیا کرتا تھا -"

(ترجمان السنۃ جلد سوم مولانا بدر عالم میرٹھی
بحوالہ محمد بن عمر الواقدی)
رضی اللہ تعالے عنہ،

حضرت ہشامؓ بن عاص سہمی

①

بنو سہم کا رئیس عاص بن وائل (بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لُوئی) اپنے مال و دولت اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے قریشِ مکہ میں ممتاز مقام رکھتا تھا اور پھر فصلِ مقدمات کا عہدہ بھی اسی کے پاس تھا جس نے اس کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا تھا۔ بظاہر تو یہ شخص بڑا زیرک اور معاملہ فہم معلوم ہوتا تھا لیکن جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو توحید کی دعوت دی تو اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ خود قبولِ حق سے انکار کر دیا بلکہ دوسروں کو بھی دعوتِ حق قبول کرنے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہی وہ بدباطن تھا جس نے قرآنی آیات کو طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا، یومِ آخرت اور جزا و سزا کا مذاق اڑایا اور خود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر بدیں الفاظ ابتر ہونے کی پھبتی کسی:-

"اجی انہیں چھوڑو، وہ تو ایک ابتر (جڑ کٹے) آدمی ہیں۔ ان کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں ہے۔ مر جائیں گے تو کوئی ان کا نام لیوا بھی نہ ہو گا۔"

عاص بن وائل کی بدبختی کہ وہ اخیر دم تک ہدایت سے محروم رہا لیکن خالقِ حقیقی کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ اسی بدنصیب کے دو فرزندوں ہشامؓ اور عمروؓ نے نہ صرف قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا بلکہ لسانِ رسالت سے مؤمن کا خطاب بھی حاصل کیا۔

۲

حضرت ابو معیط ہشامؓ اپنے بھائی عمروؓ بن العاص سے عمر میں چھوٹے تھے مگر ان کا نصیبہ بڑے بھائی سے زیادہ یاور تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص تو غزوۂ احزاب (۵ھ) کے بعد ایمان لائے لیکن حضرت ہشامؓ نے ہر قسم کے خطرات کے علی الرغم بعثتِ نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں دعوتِ توحید پر لبیک کہا اور یوں اس مقدس جماعت کے رکن بن گئے جسے اللہ تعالیٰ نے السابقون الاولون کہہ کر کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت ہشامؓ بن عاص ان ۱۳۳ نفوسِ قدسی میں سے تھے جو دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ یہ تین سال رازدارانہ تبلیغ کے تھے اس لیے مشرکین نے کسی خاص ردِ عمل کا اظہار نہ کیا البتہ بعثتِ نبوی کے اڑھائی سال بعد مشرکین کے ایک گروہ نے چند مسلمانوں کو ایک سنسان گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا تو انہوں نے دوسرے مشرکین کو اہلِ حق کے خلاف مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے کہ حالات کوئی سنگین صورت اختیار کرتے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ دارِ ارقم میں منتقل ہو گئے۔ چوتھے سالِ نبوت کے آغاز میں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (احکامِ الٰہی برملا سنائیے اور مشرکین کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے) کا حکمِ خداوندی نازل ہوا تو حضورؐ نے دعوتِ توحید کو آشکار کر دیا اور علانیہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ حضرت ہشامؓ کو بھی ان کے والدین اور دوسرے اہلِ خاندان نے نشانۂ ستم بنا لیا۔ وہ کئی سال تک طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے لیکن انہوں نے جادۂ حق سے ہٹنے کا کبھی تصور بھی نہ کیا۔ جب مسلمانوں پر کفار کے مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے تو حضورؐ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ۵ھ بعدِ بعثت میں اہلِ حق کا ایک مختصر قافلہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ ۶ھ بعدِ بعثت میں ایک بڑا قافلہ عازمِ حبشہ ہوا۔ حضرت ہشامؓ بھی اس میں

شامل ہوکر حبش چلے گئے۔ مہاجرینِ حبشہ کی ایک جماعت تو حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب کے ساتھ بارہ تیرہ برس تک حبشہ ہی میں رہی اور غزوۂ خیبر (اوائل ۷ھ ہجری) کے موقع پر واپس آئی لیکن اس کے علاوہ دوسرے بہت سے مہاجرین حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکہ واپس آگئے۔ حضرت ہشامؓ بھی واپس آنے والے اصحاب میں شامل تھے۔ حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا اذن دیا تو حضرت ہشامؓ بھی مدینہ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ اہلِ خاندان کو معلوم ہوا تو انہوں نے قید کر دیا اور سخت نگرانی کرنے لگے یہاں تک کہ پانچ چھ سال گزر گئے۔ اس اثناء میں حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے اور بدر، اُحد اور احزاب کے معرکے بھی گزر گئے۔ غزوۂ احزاب کے بعد ایک دن حضرت ہشامؓ موقع پاکر قید خانے سے بھاگ نکلے اور چھپتے چھپاتے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔

(۲)

حضرت ہشامؓ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ مدینہ آنے کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، حضرت ہشامؓ نے ان سب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت و بسالت کی دھاک بٹھا دی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عہدِ صدیقی میں قیصرِ روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت ہشامؓ جوشِ جہاد سے بے تاب ہو گئے اور شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ رومیوں نے دو تین معرکوں میں شکست کھائی تو قیصرِ روم نے تذارق اور قبقلار دو نامور رومی جرنیلوں کو ایک زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کے مقابلے پر بھیجا۔ اس لشکر نے اجنادین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت اسلامی فوجیں شام کے مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں وہ سب سمٹ سمٹا کر اجنادین پہنچ گئیں اور رومی لشکر کے مقابل خیمہ زن ہوئیں۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ ہجری کے دن رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی۔ اس معرکے میں حضرت ہشامؓ اس شان سے

لڑے کہ سرفروشی اور جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ ایک موقع پر مسلمانوں میں کچھ کمزوری کے آثار پیدا ہوئے تو جوشِ ایمان سے سرشار حضرت ہشامؓ نے اپنے سر سے خود اتار کر دور پھینک دیا اور للکار کر بولے: ——— "مسلمانو! یہ غیر مختون ہماری تلواروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو۔" یہ کہہ کر مردانہ وار تلوار چلاتے ہوئے رومیوں کی صفوں میں گھس گئے اور مارتے کاٹتے ان کے قلبِ لشکر کی طرف بڑھنے لگے۔ اِس وقت ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:۔

"مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ کہ جنت تمہاری منتظر ہے میرے ساتھ نہیں آتے تو گویا تم جنت سے بھاگتے ہو۔"

اسی طرح دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ رومیوں نے ہر طرف سے نرغہ کر کے تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ یوں وہ جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ حضرت ہشامؓ اور ان جیسے دوسرے مجاہدین کی سرفروشی اور پامردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کو عبرتناک شکست ہوئی۔ حضرت ہشامؓ کی شہادت کا واقعہ جو اوپر بیان ہوا ہے، امام حاکمؒ، ابنِ اثیرؒ، اور بلاذریؒ کی روایات کے مطابق ہے۔ مؤرخ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ حضرت ہشامؓ دادِ شجاعت دیتے ہوئے ایک تنگ گھاٹی کے اندر شہید ہو کر گر پڑے۔ اس گھاٹی میں سے ایک وقت میں صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ گھاٹی کی دوسری طرف چند مسلمان رومیوں کے ایک جمِّ غفیر سے لڑ رہے تھے اور اِس طرف کے مسلمان اُن کی مدد کو پہنچنا چاہتے تھے لیکن حضرت ہشامؓ کی لاش پر سے گزرے بغیر گھاٹی کے اُس پار جانا ممکن نہ تھا۔ حضرت ہشامؓ کے بڑے بھائی حضرت عمروؓ بن العاص اتفاق سے اسی طرف آ نکلے، انہوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کو شہادت سے سرفراز کیا ہے اور اس کی روح کو اپنے پاس بُلا لیا ہے۔ یہاں تو صرف اس کا جسم ہے اس لیے تم لوگ اس کی لاش پر سے گزر جاؤ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے خود گھوڑا بڑھایا ساتھ ہی ان کے پیچھے دوسرے مجاہدین بھی چل پڑے۔ اس طرح حضرت ہشامؓ کا جسدِ خاکی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لڑائی ختم ہوئی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے بھائی کی لاش کے ٹکڑوں کو بورے میں بھر کر سپردِ خاک کیا۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ہشامؓ کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

اللہ تعالیٰ ہشامؓ کو اپنی رحمت سے نوازے وہ اسلام کے بہترین مددگار تھے۔"

اس واقعہ کے چند سال بعد مکہ معظمہ کی ایک مجلس میں یہ بحث چھڑ گئی کہ ہشام افضل تھے یا عمروؓ بن العاص ——— اس موقع پر حضرت عمروؓ بن العاص بھی موجود تھے انہوں نے فرمایا، میں تم کو ایک واقعہ سناتا ہوں اس سے تم کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے۔ میں اور ہشامؓ دونوں ......[1] کی جنگ میں شریک تھے اس سے پہلی رات کو ہم دونوں شہادت کے لیے دعا کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو ہشام کی دُعا قبول ہو گئی اور میں شرفِ شہادت سے محروم رہا۔ اب تم سمجھ لو کہ اللہ نے کس کو فضیلت عطا کی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

---

[1] اس روایت میں اجنادین کے بجائے یرموک ہے۔ یہ راوی کا سہو ہے — جنگِ یرموک، جنگِ اجنادین کے بعد ہوئی۔ حضرت ہشامؓ جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید ــــــ سیف اللہ

①

سیّدنا حضرت خالدؓ بن ولیدؓ اسلام کے وہ عظیم سپہ سالار اور تاریخ ساز فاتح ہیں جن کے ولولہ انگیز کارناموں اور راہِ حق میں جاں سپاری کا حال پڑھ کر ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور خون گرم ہو جاتا ہے۔

خالدؓ وہی تو ہیں : ــــــ

جن کے لیے سرورِ کائنات فخرِ موجودات رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں شرفِ اسلام سے بہرہ ور کر دے۔

خالدؓ وہی تو ہیں کہ : ــــــ

جب وہ حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ کی معیت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور سیّدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا تو آپؐ نے وفورِ مسرت میں صحابۂ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا : ــــــ

رَمَتْكُمْ مَكَّةُ بِأَفْلَاذِ كَبِدِهَا

(مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری جانب پھینک دیئے ہیں)

خالدؓ وہی تو ہیں : ــــــ

جن کو بارگاہِ رسالت سے "سیف اللہ" کا مہتم بالشان لقب مرحمت ہوا اور جن کے بارے میں سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ــــــ

"خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اُس نے کفار کے
خلاف میان سے نکالا ہے۔"

حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ ہماری تاریخ کے وہ بطلِ جلیل ہیں جن کی بےمثال شجاعت اور محیّر العقول عسکری مہارت وصلاحیت کا دُنیا کے تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا ہے۔ اگرچہ صحرائے عرب کے یہ جیالے فرزند فنونِ حرب کی کسی باقاعدہ درسگاہ کے تربیت یافتہ نہ تھے لیکن میدانِ جنگ میں ان کی شہسواری، مہارت، قیادت، شجاعت، فراست اور صف آرائی کا حال پڑھ کر لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا جرنیل اور فاتح عسکری قابلیت میں ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

ایک مصری مؤرخ عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب "عبقریۃ خالدؓ" میں حضرت خالدؓ بن ولید کی شخصیت کے عسکری پہلو کا تجزیہ کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے کہ

"عسکری قائدانہ اوصاف میں سے کوئی وصف ایسا نہ ہوگا جو خالدؓ میں نہ ہو۔ وہ شجاعت، جوانمردی، حاضر دماغی، پھرتی اور دشمن پر بے پناہ ضرب لگانے میں لاثانی تھے اور دم کے دم میں جنگ کا پانسا پلٹا دینا ان کے لیے ایک کھیل تھا۔"

لاریب خالدؓ سیف اللہ ہماری تاریخ کی متاعِ گراں بہا ہیں جن پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں اور دشمنانِ حق کے مقابلے میں ان کی سرفروشی اور جانبازی کو اپنے لیے نمونہ بنا سکتے ہیں۔

۲

حضرت خالدؓ بن ولید کا تعلق قریش کے خاندان "بنو مخزوم" سے تھا جو زمانۂ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا۔ قریش نے مکہ میں جو شہری ریاست قائم کی تھی اس کی عسکری قیادت بنو مخزوم کے ہاتھ میں تھی۔ لشکری قیادت کے دو منصب "القُبّہ" (قریش میں دستور تھا کہ لڑائی کی تیاری کے وقت ایک خیمہ لگایا جاتا تھا جس میں ہر شخص بقدرِ استطاعت سامانِ حرب لا کر جمع کرتا تھا) اور "الاعِنّہ" (شہسوار فوجی دستہ) اسی خاندان

میں تھے۔ یہ قبیلہ اپنے تموّل، شرافت، شجاعت اور جنگ آزمائی کے اعتبار سے قریش میں خاص مقام رکھتا تھا۔ حضرت خالدؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

خالدؓ بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عُمَرؔ (بروایتِ دیگر عمرو) بن مخزوم بن یقظہ بن مرّہ بن کعب بن لُوَیّ القرشی۔

ان کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت (یعنی مرّہ بن کعب) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدّیقؓ سے جا ملتا ہے۔

والدہ کا نام لبابۃ الصغریٰ تھا جو حارث بن حزن ہلالی کی بیٹی تھیں۔ لبابۃ الصغریٰ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث اور حضرت اُمّ الفضل لبابۃ الکبریٰؓ زوجۂ حضرت عباسؓ بن عبدالمطّلب کی بہن تھیں۔ اس نسبت سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبّاسؓ، حضرت خالدؓ کے خالو ہوتے تھے۔

لبابۃ الصغریٰ کے اسلام لانے کے بارے میں مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ اسلام لے آئی تھیں، ان کے بیان کی بنیاد یہ ہے کہ لبابۃ الصغریٰ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہیں لیکن دوسرے ان کے اسلام لانے کو تسلیم نہیں کرتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت خالدؓ بن ولید کی مشہور کنیت ابوسلیمان تھی۔ بعض نے ایک دوسری کنیت ابوالولید بھی بیان کی ہے۔

حضرت خالدؓ کا باپ ولید بنو مخزوم کا سردار تھا اور قریش کے نہایت متموّل اور بااثر رئیسوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ان "بڑے" آدمیوں میں سے تھا جن کے بارے میں قریش کہا کرتے تھے کہ قرآن ان پر کیوں نہ اترا جیسا کہ سورہ الزُّخرُف میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (آیۃ ۳۱)

(کفّار کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا۔)

مفسّرین نے قریتین سے مراد مکّہ معظمہ اور طائف کے شہر لیے ہیں۔ قریش کے

نزدیک ولید بن مغیرہ اور طائف کے عروہ بن مسعود ثقفی ایسے "بڑے" آدمی تھے کہ آسمان سے وحی کا نزول ہونا ہی تھا تو وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر (نعوذباللہ) اس بات کے مستحق تھے کہ قرآن ان پر نازل ہوتا۔

ولید بن مغیرہ فی الحقیقت نہ صرف مال و جائداد کے اعتبار سے بلکہ فہم و ذکا، جود و سخا، کثرتِ اولاد اور طلاقتِ لسانی کے لحاظ سے بھی قریش میں منفرد حیثیت رکھتا تھا اور العدل (انصاف پسند) اور الوحید (یکتا) کے القاب سے مشہور تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے حضورؐ کی بعثت سے پہلے مے نوشی بالکل ترک کر دی تھی۔ وہ حج کے دنوں میں منیٰ میں تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا اور کسی دوسرے کو منیٰ میں کھانا پکانے کے لیے آگ جلانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک سال اکیلے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتا تھا اور دوسرے سال تمام قریش مل کر غلاف چڑھاتے تھے۔ مال و دولت کی وہ فراوانی تھی کہ کم از کم بارہ ہزار دینار ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مکّہ اور طائف میں اس کے بے شمار باغات تھے جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا۔ اس کے دس (بروایتِ دیگر چودہ یا آٹھ) بیٹے تھے جو مجلسوں میں اس کے ساتھ حاضر رہتے تھے۔ (خالدؓ بن ولید جیسے لائق فرزند بھی ان میں شامل تھے) اس بنا پر وہ طاقت اور رسوخ کے اعتبار سے تمام سردارانِ قریش میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبد المُطّلب کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں وہ بھی شامل تھا۔ اس کے پختہ عزم اور حوصلے کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب قریش نے (بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل) کعبہ کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو کوئی شخص اس کے کسی حصے کو گرانے کے لیے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ آخر ولید بن مغیرہ نے کدال ہاتھ میں لی اور یہ کہہ کر عمارت گرانی شروع کر دی "اے کعبے والے ہم جو کچھ کرنے لگے ہیں اس میں کسی بُرے ارادے کو دخل نہیں ہمارا ارادہ نیک ہے۔"

ولید کعبہ کی اس قدر تعظیم کرتا تھا کہ کبھی اس میں جوتیاں پہن کر داخل نہیں ہوتا تھا۔

اہلِ سیَر نے ولید بن مغیرہ کے جو اوصاف و خصائل بیان کیے ہیں ان کا تقاضا یہ تھا کہ

وہ اسلام قبول کرتا اور قرآن حکیم کی تصدیق کرنے میں پیش پیش ہوتا لیکن بدقسمتی سے خاندانی غرور اور جاہ و حشم اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔ وہ اپنی ریاست و وجاہت کو برقرار رکھنے کے لیے نہ صرف خود اسلام سے محروم رہا بلکہ اس کو پھیلنے سے بھی روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو مشرکین قریش آتش زیر پا ہو گئے اور انہوں نے حضورؐ اور آپؐ کے نام لیواؤں کو ستانے اور دعوتِ حق کے راستے میں روڑے اٹکانے پر کمر باندھ لی۔ اس کام میں ابو جہل، ابولہب، عاص بن وائل، اُمیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور ولید بن مغیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے حضورؐ کو تبلیغِ حق سے باز رکھنے کے لیے بڑا زور لگایا لیکن آپ نے ان کی کچھ پروا نہ کی اور برابر تبلیغِ حق کا فریضہ ادا فرماتے رہے۔

اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ مشرکینِ قریش کے کئی وفد مختلف موقعوں پر جناب ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یا تو اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو تبلیغِ حق سے روکیں یا ان کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ ان وفدوں میں ولید بن مغیرہ بھی شامل تھا۔ اس نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے ایک بیٹے عمارہ (حضرت خالدؓ کے بھائی) کو مشرکین کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے ابو طالب کے حوالے کر کے اس کے بدلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانگ لیں۔ چنانچہ مشرکین کا ایک وفد جناب ابو طالب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ :

> "اے ابو طالب! یہ عمارہ بن ولید قریش کا نہایت خوبصورت اور صاحبِ فہم و تمیز نوجوان ہے تم اسے اپنا بیٹا بنا لو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دو جس نے تمہارے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی اور تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی اور ہم سب کو احمق قرار دیا، ہم ایک آدمی دے کر دوسرا لیتے ہیں تاکہ اسے قتل کر ڈالیں۔"

جناب ابو طالب نے ان کی پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کسی قیمت پر حضورؐ کی حمایت سے دستکش ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مشرکینِ قریش کے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے براہ راست بھی ملے اور آپؐ سے کہا کہ اگر آپؐ کو مال درکار ہے تو ہم آپ کو اتنا مال دے دیں گے کہ آپؐ مکّہ کے سب سے مالدار آدمی بن جائیں گے۔ اگر آپ بادشاہ یا سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپؐ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنانے پر تیار ہیں۔ اگر آپؐ شادی کرنا چاہیں تو جس عورت کو آپ پسند کریں اس سے آپؐ کی شادی کیے دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپؐ ہمارے معبودوں کی برائی کرنا چھوڑ دیں۔ اگر یہ آپؐ کو منظور نہیں تو پھر ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک سال ہم آپؐ کے دین میں داخل ہو جائیں اور ایک سال آپؐ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوئی بات قبول نہ کی اور فرمایا، میں جو چیز تمہارے پاس لایا ہوں وہ اس لیے نہیں لایا کہ تم سے مال طلب کروں یا تم میں شرف حاصل کروں یا تمہارا بادشاہ بن جاؤں بلکہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لیے بشیر اور نذیر بنوں۔ چنانچہ میں نے اپنے رَبّ کا پیغام تم تک پہنچا دیا اب اگر تم اس کو قبول کر لو تو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گے۔ اگر اسے رد کرتے ہو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

بعض روایات میں ہے کہ ولید بن مغیرہ دل میں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا قائل ہو چکا تھا اور اس نے ایک دو موقعوں پر اس کا دبی زبان سے اظہار بھی کیا لیکن ابوجہل نے اس کو سعادتِ ایمانی حاصل کرنے سے باز رکھا۔ ابن اسحاقؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ سردارانِ قریش نے (حج سے پہلے) ایک اجتماع میں طے کیا کہ جب تمام عرب سے حاجیوں کے قافلے مکّہ میں آئیں تو ان کو حضورؐ سے بدگمان اور متنفر کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس موقع پر ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا کہ اگر ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو وہ ان پر یقین نہیں کریں گے اس لیے ضروری ہے کہ سوچ سمجھ کر کوئی ایک بات طے کر لو جس کو سب لوگ بالاتفاق کہیں۔ کچھ لوگ بولے، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کو کاہن کہیں گے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہیں ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے جس قسم کی باتیں وہ کرتے ہیں، قرآن کو ان سے دور کی نسبت بھی نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا، ہم انہیں مجنون کہیں گے۔ ولید نے کہا، واللہ وہ مجنون بھی نہیں ہیں بھلا کوئی مجنون بھی ایسا کلام پیش کر سکتا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کرتے ہیں۔ کچھ اور لوگ بولے، ہم انہیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا، وہ شاعر بھی نہیں ہیں، ہم شاعری کی ساری اصناف سے واقف ہیں، ان کے کلام پر شاعری کا اطلاق نہیں ہوتا۔

لوگ بولے، اچھا تو پھر ان کو ساحر کہیں گے۔

ولید نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا اور کہا، ہم ان میں سے جو بات بھی کریں گے لوگ اس کو باور نہیں کریں گے۔ خدا کی قسم اس کلام میں بڑی حلاوت ہے اس کی جڑ بڑی گہری اور اس کی ٹہنیاں بڑی ثمردار ہیں۔

اس پر ابوجہل نے جھلا کر کہا، اے ابا عبد شمس (ولید کی کنیت) پھر تم ہی وہ بات بتاؤ جو ہم حاجیوں کے سامنے جا کر کہیں۔

ولید دیر تک سوچتا رہا اور پھر کہا، قریب ترین جو بات کہی جا سکتی ہے وہ ہے کہ ہم حاجیوں سے کہیں، یہ شخص جادوگر ہے اور اس کے کلام سے میاں بیوی، باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ولید کی بات پر سب کا اتفاق ہو گیا اور مشرکین نے حضورؐ کے خلاف اپنی مہم کی بنیاد اسی بکواس پر رکھی۔

ولید بن مغیرہ کے اس کردار پر سورۂ مدثر میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے:۔

"(اے پیغمبرؐ) مجھے اس شخص سے سمجھ لینے دو۔ جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا اور پھر اس کو مالِ کثیر عنایت کیا اور (ہر وقت اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیئے اور اس کے لیے ہر طرح کا سازوسامان (لازمۂ ریاست) مہیا کر دیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اس کو اور

زیادہ دوں سو ہرگز ایسا نہ ہوگا یہ میری آیتوں کا دشمن رہا ہے (بلکہ
میں (تو عنقریب) اسے ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے
سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ خدا کی مار اس پر، کیسی
بات بنانے کی کوشش کی، ہاں خدا کی مار اس پر کیسی بات بنانے
کی کوشش کی پھر لوگوں کی طرف دیکھا پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا،
پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا تو یہ کہ یہ قرآن کچھ نہیں ہے مگر ایک
جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔"

(سورۂ مدثر آیات ۱۱ تا ۲۵)

بعض مفسرین کے نزدیک قرآن حکیم کی کچھ اور آیات بھی خاص ولید بن مغیرہ کے
کردار کے بارے میں نازل ہوئیں۔

ولید بن مغیرہ حالت کفر ہی میں ہجرت نبوی کے تین ماہ بعد پچانوے سال
کی عمر میں فوت ہوا۔

۳

حضرت خالدؓ بن ولید کی تاریخ ولادت کا کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا لیکن
قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس برس کی
تھی کیونکہ اکثر مؤرخین نے ۲۱ھ ہجری یا ۲۲ھ ہجری میں ان کی عمر ساٹھ برس
بیان کی ہے۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے ہم عمر تھے اور بچپن
میں ایک دفعہ انہوں نے کشتی لڑتے ہوئے حضرت عمرؓ کی پنڈلی توڑ ڈالی تھی جو کافی
علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہوئی تھی۔ اس حساب سے وہ بعثت نبوی سے تقریباً ۲۱ برس
پہلے اور ہجرت نبوی سے تقریباً ۴۰ برس پہلے پیدا ہوئے اور ۲۱-۲۲ھ ہجری میں ان
کی عمر ساٹھ برس سے اوپر تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت خالدؓ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے۔ باپ رئیس الرؤسا تھا، اس
کے پاس مال و دولت، غلام، اونٹ، گھوڑے، مکانات اور باغات ہر شے کی فراوانی

تھی اس لیے حضرت خالدؓ نے بڑے ناز و نعمت کے ساتھ پرورش پائی۔ جوان ہوئے تو فکرِ معاش سے بے نیاز تھے۔ قدرت نے انہیں سیف اللہ بننے کے لیے پیدا کیا تھا اس لیے عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہوئے اور ایسے مشاغل اختیار کیے جو صحت مندی، قوت، جرأت، ہمت، دلیری، محنت اور جفاکشی کے متقاضی تھے۔ ان مشاغل کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مُصَارَعَۃ یعنی کُشتی لڑنا ـــــ حضرت خالدؓ خوب کسرت کیا کرتے تھے اور اپنے ہم عمر نوجوانوں سے کُشتی کے مقابلے کیا کرتے تھے۔

(۲) گھوڑے سِدھانا ـــــ ان کی نگہداشت کرنا، گھڑ دوڑ کے مقابلوں میں حصہ لینا اور (ایک اچھا شہسوار بننے کے لیے) زیادہ سے زیادہ گھوڑے کی سواری کرنا۔

(۳) جنگی کیمپ (القُبّہ) کے انتظام میں حصہ لینا۔

(۴) فنونِ سپہگری سیکھنا (شمشیرزنی، نیزہ بازی، قدراندازی وغیرہ)

یہ عسکری تربیت انہوں نے کسی درسگاہ میں نہیں بلکہ کھلے میدانوں اور سنگلاخ گھاٹیوں میں حاصل کی۔ آزمودہ کار بڑے بوڑھوں کی رہنمائی اور قوم کی عسکری روایات ان کی استاد تھیں۔

فطری طور پر بھی نہایت ذہین و فطین، پھرتیلے، شجاع اور نڈر تھے۔ نگاہیں عقاب کی تھیں اور دل شیر کا۔ کسی مشکل اور خطرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مبدءِ فیض نے انہیں جنگی دل و دماغ عطا کیا تھا، خاندانی روایات نے ان کی فطری صلاحیتوں کو اور بھی چمکا دیا اور وہ ایسے زبردست جنگی ماہر اور عظیم سپہ سالار بنے کہ تاریخ عالم میں شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل کرلی۔ والد کی وفات کے بعد القُبّہ اور الاَعِنَّۃ کی ذمے داری اور قیادت انہی کے سپرد ہوئی اور اسے انہوں نے نہایت عمدگی سے انجام دیا۔ والد نے بہت بڑی جائداد چھوڑی تھی اس لیے انہیں اور ان کے بھائیوں کو روزی کمانے کے لیے تگ و دو کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارتی کاروبار

بھی وہ اپنے ملازموں کے ذریعے کرتے تھے۔ قریش کے بہت سے رؤسا اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ دور دراز (شام مصر وغیرہ) کا سفر کرتے رہتے تھے لیکن حضرت خالدؓ کو تجارت کے سلسلے میں مکّہ سے باہر نکلنے کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت خالدؓ کے ایک سعادت مند بھائی ولیدؓ بن ولید نے اس پر اوائلِ بعثت میں (یا بروایتِ دیگر غزوۂ بدر کے فوراً بعد) لبیک کہا لیکن حضرت خالدؓ نے اپنے والد کی پیروی اختیار کی اور دوسرے مشرکین کے ساتھ مل کر اسلام کی مخالفت پر کمر باندھی تاہم انہوں نے حضورؐ کو ستانے کے لیے کوئی کمینہ اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت کبھی نہ کی۔ حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ اور والد کی وفات کے بعد بھی وہ سات سال سے زیادہ عرصہ تک مشرکین کا ساتھ دیتے رہے۔ غزوۂ بدر (۲ ہجری) میں مشرکین کے لشکر میں شامل تھے لیکن کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ ملا۔ غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں مکّہ کے شہسوار دستے کی قیادت کر رہے تھے۔ کوہِ اُحد کے درہ عینین پر حضورؐ نے پچاس تیر انداز اس غرض سے متعین فرمائے تھے کہ کفار اس دّرے میں سے گزر کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہ کر سکیں۔ لڑائی کے پہلے دَور میں کفار کو شکست ہوئی اور دّرہ پر متعین بیشتر تیر اندازوں نے (حضورؐ کی ہدایت کے خلاف) اپنی جگہ چھوڑ دی تو خالدؓ کی عقابی نگاہوں نے مسلمانوں کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور اپنے دستہ کو ساتھ لے کر اس دّرہ کے راستے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

غزوۂ احزاب (۵ ہجری) میں خالد مکّہ کے ان شہسواروں میں سے تھے جو سارا دن خندق کے کنارے کنارے گشت کرتے رہتے تھے کہ اگر خندق کا کوئی حصہ کمزور ہو یا مسلمان غافل ہوں تو وہ خندق عبور کر کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر سکیں لیکن مسلمانوں کی مستعدی نے ان کو اس کا موقع نہ دیا۔ جب دو تین ہفتوں کے بعد کفار کے لشکر میں عام بھاگڑ مچی تو انہوں نے خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص

سے کہا کہ وہ ان کے عقب کی حفاظت کریں۔ چنانچہ وہ دونوں دوسَو سواروں کے ساتھ بطور ساقہ لشکرِ کفّار کے پیچھے پیچھے رہے تاکہ مسلمان حملہ کریں تو ان کا مقابلہ کر سکیں۔

سنہ ۶ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ کعبہ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ سے مکّہ کا عزم فرمایا۔ کفّار کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے خالدؓ بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے (یا مزید تحقیق) کے لیے مکّہ سے روانہ کیا۔ وہ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے تو حضورؐ کو ان کی نقل وحرکت کی اطلاع مل گئی۔ چونکہ آپؐ کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا اس لیے راستہ تبدیل کر کے حدیبیہ پہنچ گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔

صلح حدیبیہ کے اگلے سال (سنہ ۷ ہجری میں) جب معاہدے کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ عمرۃ القضا کرنے کے لیے مکّہ میں داخل ہوئے تو خالدؓ بن ولید مکّہ کے بیشتر لوگوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل گئے کیونکہ وہ مسلمانوں کے مکّہ میں داخل ہونے کا منظر دیکھنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ مکّہ میں سہ روزہ قیام کے دوران میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کے حقیقی بھائی ولیدؓ بن ولید سے (جو بڑے مخلص مسلمان تھے) فرمایا ــــ "افسوس خالد میرے پاس نہیں آیا اگر وہ آتا تو ہم اس کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے۔ خالد جیسے شخص کو تو اسلام سے دور نہیں رہنا چاہیے۔" ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کے لیے دعا بھی فرمائی۔

حضرت ولیدؓ اپنے بھائی کے سچے خیر خواہ تھے انہوں نے مدینہ واپس جا کر حضرت خالدؓ کو یہ خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے تعجب ہے کہ تم اسلام کے اس قدر خلاف کیوں ہو حالانکہ تم جیسا دانا اور زیرک شخص اسلام کی حقانیت سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کیا کہ خالد کہاں ہے ـــ؟ میں نے عرض کیا کہ خالد کو اللہ

ہی لائیے تو لائیے۔ آپؐ نے فرمایا، خالد جیسا (زیرک) آدمی اسلام کی حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفّار سے نبرد آزما ہوتا تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہوتا، اے بھائی تم بہت عرصہ تک گمراہ رہ چکے ہو۔ اب حق کو پہچانو اور اسلام کا دامن تھام لو۔"

اس خط نے حضرت خالدؓ کو اسلام کی طرف مائل کر دیا اور وہ چند دن کے بعد آستانۂ رسالت پر حاضر ہو کر مشرّف بہ ایمان ہو گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے خود اپنے قبولِ اسلام کی سرگزشت اس طرح بیان کی ہے:

"ولید کے خط نے میرے دل پر پڑے ہوئے ظلمت کے پردے چاک کر دیئے اور میں اسلام کی طرف راغب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس نے مجھے بے حد مسرور کیا اور میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میں نے انہی ایام میں ایک خواب دیکھا کہ میں ایک تنگ اور ویران جگہ سے نکل کر ایک وسیع شاداب اور پُر بہار میدان میں آگیا ہوں۔ (یہ خواب دیکھنے کے بعد) جب میں مدینہ جانے کے لیے بالکل تیار ہو گیا تو پہلے صفوان بن امیّہ اور عکرمہ بن ابوجہل سے ملا اور ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عرب اور عجم پر غلبہ حاصل ہو رہا ہے، اگر ہم بھی اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں تو جو مرتبہ اور مقام ان کو ملنے والا ہے ہم بھی اس میں حصہ دار بن جائیں گے۔ ان دونوں نے میری بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر میں اپنے دوست عثمان بن طلحہ سے ملا اور اس سے کہا، عثمان ہمارا حال اس لومڑی کی طرح ہے جو اپنے بھٹ میں چھپی بیٹھی ہے، اگر اس بھٹ میں پانی چھوڑ دیا جائے تو وہ بھٹ سے نکلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہمیں نظر آرہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آجائیں گے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ یہ وقت آنے سے پہلے ہم حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔

میں نے یہ باتیں عثمان سے بڑے تذبذب کے بعد کہی تھیں کیونکہ اس کا باپ اور چار بھائی جنگِ اُحد میں مارے جا چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی صفوان اور عکرمہ کی طرح میری بات نہیں ماننے گا، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب عثمان نے بلا تامل میری تجویز مان لی۔ اگلے دن ہم دونوں علی الصباح عازمِ مدینہ ہو گئے۔ "ہدہ" کے مقام پر ہماری ملاقات عمرو بن العاص سے ہوئی جو حبشہ سے آ رہے تھے انہوں نے مجھ سے کہا، ابو سلیمان کدھر کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور میں اسلام قبول کرنے کے لیے ان کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہم اکٹھے مدینہ پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں سے فرمایا، مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے ڈال دیئے ہیں۔ میں نے نئے کپڑے پہنے اور کاشانۂ رسالت کی طرف روانہ ہوا، راستے میں مجھ کو میرا بھائی (ولید) ملا۔ اس نے کہا، جلدی چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے آنے سے بہت خوش ہیں اور تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ہم سب عجلت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ہمیں دیکھا تو متبسم ہو گئے۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا، آپؐ نے بڑی گرمجوشی سے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت نصیب کی۔ مجھے یہی امید تھی کہ تمہاری فراست ایک دن ضرور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے گی۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، مجھ سے کئی بار آپؐ کے خلاف

لڑنے کا گناہ سرزد ہو چکا ہے آپؐ اللہ سے میرے لیے مغفرت کی دُعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا، اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے —— میں نے (حیرت سے) کہا، واقعی یا رسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا، ہاں۔

اس کے بعد آپؐ نے دعا کی، الٰہی خالد سے ماضی میں تیرے دین کی مخالفت کرنے میں جو لغزشیں سرزد ہوئیں ان کو معاف فرما۔

میرے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔"

حضرت خالدؓ بن ولید نے قبولِ اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اس طرح انہیں ہجرت کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ یہ واقعہ فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے کا ہے۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکا تو حضورؐ نے سکونت کے لیے مجھے ایک مکان عنایت فرمایا۔

(۴)

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے اور انہوں نے اپنی شمشیرِ خارا شگاف سے ہر میدان میں طاغوتی قوتوں کو خاکِ نامرادی چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ سب سے پہلا معرکہ جس میں حضرت خالدؓ کی تلوار کفار کے خلاف بے نیام ہوئی، غزوۂ موتہ تھا جو ان کے قبولِ اسلام کے دو ماہ بعد پیش آیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک تبلیغی خط حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ بصریٰ کے حکمران کے پاس بھی بھیجا۔ حضرت حارثؓ موتہ کے مقام پر پہنچے تو بلقاء کے رئیس شرجیل بن عمرو غسانی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے ان کا انتقام لینے کے لیے جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں تین ہزار فوج حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں روانہ فرمائی اور

اس کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب سپہ سالار ہوں گے، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ انصاری امیرِ لشکر ہوں گے۔

حضرت خالدؓ بن ولید اس لشکر میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔ حاکمِ بصریٰ کو مسلمانوں کی آمد کا پتہ چلا تو اس نے مقابلے کے لیے اپنے حلیف قبائل کو ساتھ ملا کر ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا۔ اتفاق سے قیصرِ روم بھی اسی علاقے میں مواب کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ اس نے ہزاروں رومی جنگجو حاکمِ بصریٰ کی مدد کے لیے بھیج دیئے۔ اس طرح دشمن کی تعداد ڈیڑھ دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ مسلمانوں اور دشمن کی فوج میں ایک اور ساٹھ (بروایتِ دیگر ایک اور تراسی) کی نسبت تھی لیکن اس کے باوجود مسلمان اللہ کے بھروسے پر اس طاغوتی قوت سے ٹکرا گئے۔

مؤتہ کے میدان میں فریقین کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی جس میں حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ یکے بعد دیگرے نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اب حضرت خالدؓ بن ولید نے فوج کی کمان سنبھالی اور اپنی بے مثال شجاعت اور عسکری قابلیت کی بدولت مسلمانوں کو دشمن کی زد سے نکال لائے۔ اگرچہ دشمن کی کثیر تعداد اور ساز و سامان کی بنا پر (اور اس وجہ سے بھی کہ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور تھے) اس کو زیر نہ کیا جا سکا لیکن تین ہزار کی مختصر فوج کا دشمن کے ٹڈی دل سے بچ جانا بھی فی الحقیقت مسلمانوں کی کامیابی تھی۔ (ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے دشمن کے بے شمار آدمی ہلاک کر کے اس کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا)۔ اس خونریز معرکے میں مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے جبکہ دشمن کے سینکڑوں آدمی کھیت رہے۔

تمام اربابِ سیَر و مغازی نے یہ روایت تواتر کے ساتھ نقل کی ہے کہ جس وقت مسلمان مؤتہ کے میدان میں موت اور زندگی کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں کی ایک جماعت کے درمیان مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ یکایک آپؐ

نے فرمایا : ———

" زیدؓ نے نشان لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ اب جعفرؓ نے علم سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب عبداللہؓ بن رواحہ نے نشان لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب اس شخص نے علم ہاتھ میں لیا ہے جو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔"

ایک اور روایت میں حضورؐ سے یہ الفاظ منسوب ہیں : ———

" اُن (زیدؓ، جعفرؓ، اور عبداللہؓ) کے بعد خالدؓ بن ولید نے علم سنبھالا۔ اے اللہ وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اس کی مدد فرما۔"

اس دن سے حضرت خالدؓ کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) پڑ گیا۔

حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ غزوۂ مؤتہ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں، صرف ایک یمنی تلوار باقی رہ گئی۔

غزوۂ مؤتہ کے وقت میدانِ جنگ کا نقشہ حضورؐ کے سامنے کر دیا گیا تھا یا آپؐ کو وحی کے ذریعے تمام حالات کی اطلاع دی گئی تھی، صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے کہ مجاہدین کے مدینہ واپس آنے سے کافی دن پہلے حضورؐ نے حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کی خبر صحابہؓ کو دے دی تھی اور حضرت خالدؓ بن ولید کی غیر معمولی کارکردگی کا تذکرہ بھی کر دیا تھا۔ اس واقعہ کو حضورؐ کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

۵

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں حضرت خالدؓ بن ولید کو اُن دس ہزار قدسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور جن کا ذکر صدیوں پہلے توریت (کتابِ استثنا) میں یوں کیا گیا تھا

" خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہِ فاران سے

ان پر جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے
ہاتھ میں ان کے لیے آتشیں (نورانی) شریعت تھی۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے چلتے وقت حضرت خالدؓ کو لشکرِ اسلام کے میمنہ کا افسر مقرر فرمایا۔ اس میں سُلیم، مزینہ، اسلم، غِفار، جہینہ وغیرہ عرب قبائل شامل تھے۔ حضورؐ حرمِ مقدس میں خونریزی نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے آپؐ نے اپنے تمام جاں نثاروں کو حکم دیا تھا کہ جب تک کفار ان کی مزاحمت نہ کریں وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں۔ مشرکینِ مکہ کو اجتماعی طور پر تو مسلمانوں کی مزاحمت کرنے کی ہمت نہ پڑی البتہ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ نے قبیلہ بنی بکر اور احابیش کے کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا (اس پر تیر برسانے شروع کر دیئے) جو حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مکہ کے بالائی حصہ کی جانب سے شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کو مجبوراً تلوار بے نیام کرنی پڑی۔ انہوں نے مشرکین کی بری طرح پٹائی کی، یہاں تک کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جھڑپ میں ان کے اٹھائیس آدمی مارے گئے (ان میں سے ۲۴ قریش سے تھے اور چار قبیلہ ہذیل کے) اور مسلمانوں کے دو (یا بروایتِ دیگر تین) آدمی شہید ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شہادت پانے والے دو مسلمان حضرت کرزؓ بن جابر فہری اور حبیش الاشعرؓ حضرت خالدؓ کے دستے سے بچھڑ کر کسی دوسرے راستے پر جا پڑے تھے مشرکین نے انہیں تنہا پا کر شہید کر ڈالا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت خالدؓ سے باز پرس کی۔ انہوں نے عرض کی، "یا رسول اللہ پہلے ان لوگوں نے ہم پر حملہ کیا ہم نے اپنی مدافعت کے لیے اس کا جواب دیا۔"

حضورؐ نے فرمایا "خیر جو اللہ کی مرضی۔"

فتح مکہ کے پانچ دن بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو تیس سوار دے کر وادیٔ نخلہ میں قریش کے ایک بڑے بُت "العُزّیٰ" کو مسمار کرنے کے لیے

بھیجا۔ قریش کنانہ اور مضر وغیرہ قبائل اس بُت کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے عُزّٰی کے معبد کا انتظام بنو شیبان کے سپرد تھا اور یہ مکّہ سے دس میل دور ایک باغ (بستانِ عامر) میں واقع تھا۔ اس باغ کی نسبت سے یہ وادی نخلہ کے نام سے مشہور تھی۔ حضرت خالدؓ نے ۲۵ رمضان ۸ھ ہجری کو وہاں پہنچ کر عُزّٰی (اور اس کے معبد) کو منہدم کر دیا۔ وہاں سے مکّہ واپس آئے تو حضورؐ نے تین سو پچاس صحابہؓ کے ساتھ دعوتِ اسلام کی غرض سے بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ بنو کنانہ کی ایک شاخ تھے جو یلملم کی جانب مکّہ سے ایک دن کی مسافت پر آباد تھے۔ حضرت خالدؓ نے حضورؐ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان میں سے کچھ آدمی ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اَسْلَمْنَا (ہم اسلام لائے) کے بجائے "صبانا" (یعنی ہم نے دین تبدیل کر لیا ہے) کہا۔ اس سے فی الحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ ہم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا دین (اسلام) قبول کر لیا ہے۔ چونکہ مشرکین قریش مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے اس لیے بنو جذیمہ کے ان لوگوں نے بھی اپنے اسلام کا اظہار اپنے آپ کو "صابی" کہہ کر کیا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھا کہ یہ اپنے بے دین ہونے کا اظہار کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو قتل کرا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے بنو جذیمہ کے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا اور پھر ان کے قتل کا حکم دیا لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو قتادہؓ اور بہت سے دوسرے صحابہؓ نے اپنے قیدی چھوڑ دیئے البتہ بنو سُلَیم نے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ کو بہت افسوس ہوا اور آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمایا، "اے اللہ، خالدؓ بن ولید نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں۔" پھر آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ان سب کی دیت (خون بہا) دے کر بھیجا۔ وہ بنو جذیمہ کے پاس گئے اور جتنے لوگ قتل ہوئے تھے ان سب کا خون بہا ادا کیا حتّٰی کہ اگر کسی کا کتّا بھی مارا گیا تھا تو اس کا بھی معاوضہ دیا۔

اس کے بعد جتنا مال بچ رہا وہ ویسے ہی (تالیفِ قلب کے طور پر) ان لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

سریّہ بنو جذیمہ کے بعد شوال ۸ھ ہجری میں غزوہ حُنین پیش آیا۔ اس میں حضرت خالدؓ بن ولید لشکرِ اسلام کے مقدمۃ الجیش کی قیادت کر رہے تھے جو بنو سُلیم کے سو سواروں پر مشتمل تھا۔ بنو ہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اس شدت سے تیر برسائے کہ ان میں انتشار پھیل گیا لیکن جلد ہی سنبھل کر انہوں نے اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ بنو ہوازن اور ان کے ساتھیوں کو شکست فاش ہوئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید اس لڑائی میں سر بکف ہو کر لڑے اور کئی زخم کھائے۔ لڑائی ختم ہوئی تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ان کے زخموں پر دَم کیا اور وہ جلد شفایاب ہو گئے۔

ابن برہان الدین حلبیؒ نے "السیرۃ الحلبیہ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے حضرت خالدؓ کے ساتھیوں کو ان کی تیمارداری کے بارے میں مختلف ہدایات دیں۔

غزوہ حُنین کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو اس موقع پر بھی آپؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اسلامی لشکر کے مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا۔ اثنائے محاصرہ میں حضرت خالدؓ نے کئی بار محصور مشرکین کو دعوتِ مبارزت دی لیکن کسی کو ان کے مقابلے پر آنے کی ہمت نہ پڑی۔ تقریباً ایک ماہ کے بعد حضورؐ نے بعض وجوہ کی بنا پر محاصرہ اٹھا لیا۔

۹ھ ہجری کے اوائل میں حضورؐ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق، جو دو سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، مرتد ہو گئے ہیں اور لڑنے پر تیار ہیں۔ حضورؐ نے ان کی تادیب کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو روانہ کیا اور ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ ان پر حملہ کرنے سے پہلے اس بات کی اچھی طرح چھان بین کر لیں کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں اگر معلوم ہو کہ نماز پڑھتے ہیں تو پھر ان کو نہ چھیڑا جائے۔ حضرت خالدؓ اپنی جمعیت کے ساتھ بنو مصطلق کی بستی کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی انہوں نے اپنے چند آدمی بنو مصطلق

کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجے۔ ان لوگوں نے واپس آکر خبر دی کہ تمام قبیلہ اسلام پر قائم ہے۔ یہ لوگ باقاعدہ اذانیں دیتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ صبح کے وقت حضرت خالدؓ بستی میں داخل ہوئے تو بنو مصطلق نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور بہت خاطر مدارات کی۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور واپس آکر حضورؐ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔

رجب ۹ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے امکانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک تشریف لے گئے۔ اس طویل پر صعوبت سفر میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ تبوک پہنچ کر آپؐ نے کسی رومی لشکر کو وہاں موجود نہ پایا تاہم آپؐ نے احتیاطاً بیس دن تبوک میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں حضورؐ نے اردگرد کے عیسائی رئیسوں کو مطیع بنانے پر توجہ کی۔ یہ لوگ قیصرِ روم کے باجگزار تھے اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں رومیوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کرلی۔ صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک نصرانی باقی رہ گیا۔ حضورؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو سے کچھ زیادہ آدمی دے کر اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا۔ حضرت خالدؓ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اکیدر اپنے بھائی حسان اور بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ شکار پر نکلا ہوا تھا۔ جنگل ہی میں ان لوگوں کی مدبھیڑ حضرت خالدؓ سے ہوگئی۔ حسان لڑائی میں مارا گیا اور اکیدر کو حضرت خالدؓ نے گرفتار کرلیا۔ باقی لوگوں نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی۔ اکیدر نے پیشکش کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کرے گا اور آپؐ کی خدمت میں دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے پیش کرے گا۔ حضرت خالدؓ نے یہ پیشکش قبول کرلی۔ چنانچہ اکیدر اور اس کا دوسرا بھائی مصاد یہ چیزیں لے کر تبوک پہنچے جہاں حضورؐ ابھی تک قیام پذیر تھے۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے اطاعت قبول کرلی اور ہدیہ پیش کیا۔ حضورؐ نے جزیہ قبول فرما کر

اس کو جان و مال کا تحریری امان نامہ عطا فرمایا۔ اس طرح وہ دومۃ الجندل کی حکومت پر اسلامی مملکت کے ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے بحال ہو گیا۔

۱۰ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو سوار دے کر دعوتِ اسلام کے لیے بنو عبد المدان کی طرف نجران بھیجا۔ یہ قبیلہ بنو حارث بن کعب کی ایک شاخ تھا۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے چلنے لگے تو حضورؐ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو تین بار اسلام کی دعوت دینا اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر ان کو احکامِ اسلام کی تعلیم دینا اور اگر وہ سرکشی اختیار کریں تو پھر تم کو لڑنے کا اختیار ہے۔ حضرت خالدؓ نے نجران پہنچ کر بنو عبد المدان کو دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے اسے بخوشی قبول کیا اور ان کے ہاتھ پر مشرف بہ ایمان ہو گئے۔ حضورؐ کے حکم کے مطابق حضرت خالدؓ وہیں ٹھہر گئے اور ان کو قرآن و سنت اور احکام و مسائل کی تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے ایک خط میں تمام حالات حضورؐ کو لکھ بھیجے۔ آپؐ نے جواب میں لکھا کہ بنو عبد المدان (بنو حارث) کا ایک وفد ساتھ لے کر مدینہ آؤ۔ چنانچہ حضرت خالدؓ ان لوگوں کا ایک وفد ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور اس وفد کو حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ یہ لوگ حضورؐ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کر کے وطن واپس گئے۔

ابن جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ ۱۰ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لیے یمن بھیجا۔ وہ وہاں چھ ماہ تک مقیم رہ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا، اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روانہ کیا۔ ان کی تبلیغ سے یمن کے اکثر لوگ تھوڑے ہی دنوں میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ابن سعدؒ اور ابن ہشامؒ نے اس واقعہ کو اور انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ یمن بھیجا، دوسری جانب سے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی ایک لشکر دے کر بھیجا اور فرمایا کہ جب تم علیؓ

سے ملو تو سارے (متحدہ) لشکر کے امیر علیؓ ہوں گے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تمہاری طرف سے حملہ کرنے میں پہل نہ ہو ہاں اگر اہلِ یمن تم پر حملہ کریں تو تم اپنی مدافعت کر سکتے ہو۔ حضرت علیؓ اور حضرت خالدؓ یمن پہنچے تو دعوتِ اسلام کے جواب میں اہلِ یمن نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر برسائے۔ اہلِ حق نے ایک ہی جھڑپ میں ان کو پسپا کر دیا لیکن ان پر کوئی سختی نہیں کی اور دوبارہ ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس مرتبہ وہ برضا و رغبت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

مصری مؤرخ ابو زید شلبی نے اپنی کتاب "خالدؓ سیف اللہ" میں طبری کی روایت پر تنقید کی ہے اور اس کو عقل اور تاریخ دونوں لحاظ سے ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔

اسی سال (سنہ ۱۰ ہجری) میں حضرت خالدؓ کو حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ نے اپنی کتاب "بذل القوۃ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے سنہ ۱۱ ہجری میں بھی (اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے) حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں ایک سریہ بنو خثعم کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ اسلام کا اظہار کرنے کی بجائے سجدے میں گر گئے۔ حضرت خالدؓ (ان کا مطلب نہیں سمجھ پائے اس لیے) ان (میں سے بعض) کو قتل کر دیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے مقتولوں کی نصف دیت ادا فرمائی۔

(۶)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیروؤں اور مرتدین نے سارے عرب میں شورش برپا کر دی ان میں تین قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو کسی مدعیٔ نبوت کے معتقد ہو کر اسلام سے بالکل پھر گئے تھے، دوسرے وہ جو نماز اور زکوٰۃ میں کمی اور معافی کے طالب تھے، تیسرے وہ جو صرف زکوٰۃ کے انکاری تھے اور اس کو خراج سمجھ کر اپنی آزادی کے خلاف تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں گروہوں کے خلاف جہاد کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا

سینہ کشادہ کر دیا۔ فی الحقیقت ایسے پُرآشوب اور انتہائی نازک حالات میں صدیق اکبرؓ جیسے کامل الایمان صاحبِ عزیمت و استقامت اور نڈر شخص ہی کی ضرورت تھی انہوں نے کسی قیمت پر بھی مرتدین کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے صورتِ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر ان کو تیسرے گروہ (زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں) کے ساتھ نرمی کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے فرمایا :-

"(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا —— دین کمال کو پہنچ چکا، کیا میری زندگی میں اس کی قطع و برید کی جائے گی؟ خدا کی قسم اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی جو لوگ انکار کریں گے، میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔"

اور پھر واقعی انہوں نے جو فرمایا تھا اسے کر دکھایا۔ اُن کی قوتِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ان نازک حالات میں بھی حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو سات سو صحابہؓ کی معیت میں سرحدِ شام کی طرف (رومیوں سے غزوۂ مُوتہ کا بدلہ لینے کے لیے) روانہ کر دیا۔ جب ان کو مشورہ دیا گیا کہ موجودہ حالات میں صحابہؓ کی اتنی تعداد کو مدینہ منورہ سے باہر بھیجنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو انہوں نے فرمایا :

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اُسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا۔ اگر بستیوں میں میرے سوا ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی جیشِ اسامہ کو روانگی کا حکم ضرور دیتا۔"

جیشِ اسامہؓ کی روانگی کے بعد بنو اسد، فزارہ، غطفان، ثعلبہ، مُرّہ، عبس، کنانہ اور ذبیان کے مرتد قبائل نے مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کے ایک حصے نے ابرق میں پڑاؤ ڈالا اور دوسرے نے ذوالقصہ میں۔ یہ دونوں مقام مدینہ کے نواح میں تھے۔ مرتدین نے ذوالقصہ سے ایک وفد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں زکوٰۃ سے معافی کے لیے بھیجا لیکن خلیفۃ الرسولؐ نے اس کو صاف جواب دے دیا۔

وفد کی واپسی کے تیسرے دن مرتدین نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہلِ مدینہ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے ان کا بڑے عزم و ثبات کے ساتھ مقابلہ کیا اور انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ذی حسیٰ تک چلے گئے جہاں مرتدین اپنے بہت سے آدمیوں کو چھوڑ آئے تھے۔ ان لوگوں نے مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی۔ تعاقب کرنے والے شتر سوار مسلمان پہنچے تو انہوں نے مشکیں اونٹوں کے سامنے لڑھکا دیں اور ساتھ ہی اچھل کود کر دف باجے ڈھول وغیرہ بجانے لگے، اس سے اونٹ بھڑک اٹھے اور پیچھے کو بھاگے۔ مرتدین نے سمجھا کہ مسلمان بھاگ گئے۔ انہوں نے ذی حسیٰ کی پشت پر ذوالقصہ میں مقیم اپنے ساتھیوں کو بھی آگے بلا لیا اور پھر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگے۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے شتر سواروں کے مدینہ واپس آتے ہی دوسرے حملے کا انتظام کیا اور راتوں رات کوچ کر کے علی الصباح مرتدین پر چھاپہ جا مارا۔ سردارِ لشکر حبال (جو طلیحہ مدعیٔ نبوت کا بھائی تھا) مارا گیا اور باقی لشکر بدحواس ہو کر بھاگ اٹھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا اور پھر حضرت نعمانؓ بن مقرن کو کچھ فوج کے ساتھ وہاں چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد مرتدینِ بنو ذبیان اور عبس نے موقع پا کر بہت سے مسلمانوں کو نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا۔ (ایک روایت میں ہے کہ ان ظالموں نے مسلمانوں کے اعضا کاٹے اور ان کو زندہ آگ میں جلایا) حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان مظالم کی خبر ہوئی تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب تک مرتدین سے مسلمانوں کا انتقام نہ لے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ اسی اثنا میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اپنی مہم میں کامیاب ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود ایک لشکر کے ساتھ مرتدین کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ ابرق کے مقام پر عبس، ذبیان بکر اور ثعلبہ کے مرتدین ان کے مقابل ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کو شکست فاش دی اور ابرق سے بھگا دیا۔ خلیفۃ الرسول کے حکم کے مطابق ابرق کو (جو بنو ذبیان کا مسکن تھا) مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا

دیا گیا۔

مدینہ واپس آکر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرب کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مرتدین کے مکمل استیصال کے لیے عام فوج کشی کی تیاری کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے گیارہ لشکر مرتب فرمائے اور ان میں سے ہر لشکر کو مختلف علاقوں کے مرتدوں اور باغیوں کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت خالدؓ بن ولید بھی ایک لشکر کے امیر مقرر ہوئے اور ان کو طلیحہ بن خویلد اسدی اور اس کے بعد مالک بن نویرہ بطاحی کی سرکوبی پر مامور کیا گیا[1]۔ حضرت خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ بزاخہ کی طرف بڑھے جو طلیحہ بن خویلد کا

---

[1] دوسرے دس لشکروں کی تفصیل اس طرح ہے :۔

(۱) حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر

(۲) حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کو حضرت عکرمہؓ کی امداد اور اس کے بعد کندہ اور حضرموت کے مرتدوں کی سرکوبی پر۔

(۳) حضرت عمروؓ بن العاص کو مرتدین قضاعہ کی سرکوبی پر۔

(۴) حضرت خالدؓ بن سعید کو سرحد شام کے مرتدوں کی سرکوبی پر۔

(۵) حضرت حذیفہؓ بن محصن کو مرتدین دبا کی سرکوبی پر۔

(۶) حضرت طریفہؓ بن حاجز کو بنو سلیم اور بنو ہوازن کے مرتدین کی سرکوبی پر۔

(۷) حضرت سویدؓ بن مقرن کو اہل تہامہ (یمن) کی سرکوبی پر۔

(۸) حضرت علاءؓ حضرمی کو بحرین کے مرتدوں کی سرکوبی پر۔

(۹) حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ کو مرتدین مہرہ کی سرکوبی پر۔

(۱۰) حضرت مہاجرؓ بن امیہ کو اسود عنسی کے پیروؤں کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

ان لشکروں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قاصدوں کے ذریعے ایک اعلان تمام مرتدوں کے پاس بھیج دیا، جس میں ان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ سرکشی سے باز آجائیں اور احکام اسلام کی پابندی اختیار کریں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا ہر سپہ سالار کو بھی چلتے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک فرمان دیا جس میں ان کو مختلف ہدایات

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

مستقر تھا۔ یہ شخص بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھا اور شجاعانِ عرب میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے عہدِ رسالت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حجۃ الوداع کے بعد اس کے دماغ میں فتور پیدا ہوا اور اس نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ بنو اسد اور بعض دوسرے قبائل کے بہت سے لوگ اس کے معتقد بن گئے۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت ضرارؓ بن ازور کو طلیحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت ضرارؓ نے " واردات " کے مقام پر طلیحہ کو شکست فاش دی۔ دورانِ جنگ میں ایک موقع پر طلیحہ حضرت ضرارؓ کے سامنے آگیا۔ انہوں نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ بچ گیا۔ اس پر اس کے معتقدین میں (شکست کھانے کے باوجود) مشہور ہوگیا کہ طلیحہ کے جسم پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ اُدھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور حضرت ضرارؓ بن ازور مدینہ منورہ واپس آگئے۔ ان کی واپسی کے بعد طلیحہ کا زور پھر بڑھ گیا اور اسد، عبس، غطفان، ذبیان اور طے کے قبائل اس کے ساتھ ہو گئے، البتہ طے کے سردار حضرت عدیؓ بن حاتم اسلام پر قائم رہے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے قبیلے کی گمراہی سے آگاہ کیا تو انہوں نے حضرت خالدؓ کی روانگی سے پہلے حضرت عدیؓ کو ان کے قبیلے میں بھیج دیا کہ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر اسلام میں واپس لانے کی کوشش کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ خالدؓ ان کو تباہ و برباد کر دیں۔

حضرت عدیؓ نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کو فہمائش کی کہ اسلامی لشکر یہاں آیا ہی چاہتا ہے بہتر یہ ہے کہ تم اس کی آمد سے پہلے اسلام میں واپس آجاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ ان لوگوں نے کچھ ردّ و قدح کے بعد حضرت عدیؓ کی بات مان لی اور وعدۂ اطاعت کے ساتھ ان سے درخواست کی کہ ہم کو تین دن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دی گئی تھیں مثلاً خدا سے ڈرتے رہو، گناہوں سے بچو، نیک کام کرو، جہاں پہنچو اذان دو۔ جواب میں اگر وہاں کے لوگ بھی اذان دیں تو ان پر حملہ نہ کرو۔ خلاصہ یہ کہ بغیر اتمام حجت کسی پر ہتھیار نہ اٹھاؤ۔

کی مہلت دی جائے تاکہ ہم اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے لشکر میں شامل ہیں، واپس لے آئیں ورنہ اس وقت ہمارے اعلان اطاعت کی مصیبت اُن پر پڑے گی، طلیحہ ان کو مروا ڈالے گا یا قید میں ڈال دے گا۔ حضرت عدیؓ ان کے کہنے کے مطابق حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان کو تین دن تک بنوطے کی طرف آنے سے روک دیا۔ اس اثنا میں قبیلہ طے کے آدمی اپنے ساتھیوں کو طلیحہ کے لشکر سے کوئی حیلہ بنا کر واپس لے آئے اور پھر سب دوبارہ مسلمان ہو کر حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جدیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عدیؓ نے ان سے کہا، قبیلہ طے ایک پرندہ کی مانند ہے جس کا ایک بازو (پَر) جدیلہ ہے۔ آپ ذرا توقف کریں تاکہ میں ان کو بھی دوبارہ اسلام میں واپس لانے کی کوشش کروں، جس طرح قبیلہ طے کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے شاید ان کو بھی دے دے۔ حضرت خالدؓ نے حضرت عدیؓ کی درخواست بخوشی منظور کر لی۔ چنانچہ حضرت عدیؓ قبیلہ جدیلہ کے پاس گئے اور اپنی سعی بلیغ سے ان لوگوں کو بھی دوبارہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس طرح ان کے ایک ہزار سوار اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت عکاشہؓ بن محصن اور حضرت ثابتؓ بن اقرم انصاری کو دشمن کی ٹوہ لینے کے لیے بزاخہ کی طرف بھیجا۔ اتفاق سے ان کو طلیحہ کا ایک بھائی مل گیا انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا (بعض روایتوں میں اس کا نام حبال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کچھ دوسری روایتوں کے مطابق حبال اس وقت قتل ہوا جب مرتدین نے اس کی قیادت میں مدینہ منورہ پر حملہ کیا)۔ طلیحہ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے دوسرے بھائی سلمہ کو لے کر نکلا۔ سلمہ نے حضرت ثابتؓ کو اور طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ کو شہید کر ڈالا۔

حضرت خالدؓ پیشقدمی کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو ان دونوں کی لاشیں دیکھ کر قبیلہ طے میں واپس آ گئے کیونکہ طلیحہ کے حالات معلوم کیے بغیر اس پر کاری ضرب نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ چند دن وہاں قیام کے بعد انہوں نے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر لیا اور قبیلہ طے سے مزید مدد مانگی۔ انہوں نے کہا کہ بنو قیس کے مقابلے میں تو ہم آپ کو

مزید مدد دے سکتے ہیں لیکن بنو اسد سے آپ خود نبٹیں کیونکہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔

حضرت عدیؓ بن حاتم کو اپنے قبیلے کی یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے کہا، خدا کی قسم میں تو بنو اسد کے خلاف جہاد کرنے سے باز نہ رہوں گا جب وہ اسلام کے دشمن ہو گئے تو ہمارے حلیف کہاں رہے؟

حضرت خالدؓ لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے حضرت عدیؓ سے کہا، بنو قیس اور بنو اسد کسی سے بھی لڑنا جہاد ہی ہے اس لیے تم اپنی قوم کی رائے کی مخالفت نہ کرو اور جس سے وہ خوشی کے ساتھ لڑنا چاہیں اسی کے مقابلے پر جاؤ۔

اب حضرت خالدؓ طلیحہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے بزاخہ کی طرف بڑھے۔ طلیحہ کے لشکر میں عیینہ بن حصن فزاری بھی بنو فزارہ کے سات سو مرتدین کے ساتھ شریک تھا۔ حضرت خالدؓ بزاخہ پہنچے تو عیینہ بن حصن اپنے قبیلے کے ساتھ ان کے مقابل ہوا اور فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ طلیحہ ایک طرف (لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے) وحی کے انتظار کے حیلہ سے چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ جب عیینہ نے اپنے لشکر میں کمزوری کے آثار پائے تو دوڑ کر طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا:

"جبریلؑ آئے یا نہیں؟"

اس نے کہا "نہیں"۔

عیینہ یہ سن کر پھر لڑتے چلا گیا۔ جب مسلمانوں کا دباؤ اور بڑھ گیا تو دوبارہ طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا، جبریلؑ آئے؟ طلیحہ نے کہا، ابھی تک نہیں آئے۔ عیینہ نے کہا، ہماری مصیبت انتہا کو پہنچ گئی، آخر جبریلؑ کب تک آئیں گے؟ یہ کہہ کر پھر میدانِ جنگ میں چلا گیا۔ اب مرتدین پر حضرت خالدؓ کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ان کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ عیینہ تیسری مرتبہ دوڑا دوڑا طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا، اب بھی جبریلؑ آئے یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا، ہاں آئے تھے۔

عیینہ نے کہا، کیا وحی لائے؟

طلیحہ نے کہا، وحی لائے کہ

"ان لك رحا كرحاه وحديثاً لا تنساء"

(یعنی تیرے پاس بھی اسی قسم کی چکی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہیں بھولے گا۔ بالفاظِ دیگر تمہیں بھی ویسا ہی معرکہ درپیش ہے جیسا مسلمانوں کو اور اس لڑائی کے واقعات تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے۔)

عیینہ یہ سن کر غضبناک ہو گیا اور کہا:

"قد علم الله سيكون حديثاً لا تنساء"

(بے شک اللہ جان گیا کہ عنقریب ایسی بات ہونے والی ہے جس کو تو کبھی نہ بھولے گا)۔

یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں آیا اور چلّا کر کہا:

"اے بنی فزارہ، خدا کی قسم طلیحہ نبی نہیں بلکہ محض ایک جھوٹا آدمی ہے۔ میں جا رہا ہوں تم بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لو اور اپنے قبیلے میں واپس جاؤ۔"

بنو فزارہ یہ آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لوگوں میں سے کچھ شکست کھا کر بھاگ گئے اور کچھ مسلمان ہو گئے۔ طلیحہ نے پہلے سے گھوڑا تیار کر رکھا تھا اس پر اپنی بیوی کے ساتھ سوار ہو کر بھاگا اور اپنے پیروؤں سے کہتا گیا کہ تم میں سے جو بھی اپنے اہل و عیال کو لے کر فرار ہو سکے وہ فرار ہو جائے۔ اس طرح دم کے دم میں میدان صاف ہو گیا۔ طلیحہ نے بنو کلب میں جا کر پناہ لی۔ بعد میں طلیحہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایرانیوں کے خلاف متعدد لڑائیوں میں سرفروشانہ حصہ لے کر اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے ہی کسی معرکے میں وہ نہایت بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

(۷)

بزاخہ سے طلیحہ کا فرار بڑے دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا اور متعدد قبائل

(بنو عامر بن صعصعہ، بنو سلیم، بنو ہوازن، بنو کعب وغیرہ) ارتداد سے توبہ کر کے دوبارہ اسلام کے دست وبازو بن گئے۔ درحقیقت ان قبائل کی نظریں طلیحہ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کون سا فریق غالب آتا ہے طلیحہ کی شکست سے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور انہوں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت کا اظہار کیا اور اس حلفیہ عہد پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ انہی امور پر ہم اپنے اہل وعیال کی طرف سے بھی بیعت کرتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے بیعت لے کر ان سب کو امن دے دیا۔

اسد، غطفان اور ان کے حامی قبائل کو توبہ کرنے پر حضرت خالدؓ نے اس شرط پر معافی دی کہ وہ اپنے اُن لوگوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں جنہوں نے ارتداد کی حالت میں بہت سے مسلمانوں کو نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت خالدؓ کے سامنے حاضر کیے گئے۔ انہوں نے ان کو قتل کرا ڈالا، البتہ ان کے دو سرداروں قرۃ بن ہبیرہ اور عیینہ بن حصن فزاری کو گرفتار کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو بھی قتل کرا دیا اور بعض کے مطابق ان کو معافی دے دی۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے بزاخہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ اس عرصے میں وہ امن وامان قائم کرنے اور زکوٰۃ جمع کرنے میں مصروف رہے۔ اسی دوران میں ان کو اطلاع ملی کہ بنو فزارہ کی ایک عورت اُمّ زمل سلمٰی بنت مالک بن حذیفہ ایک جمعیت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر رہی ہے۔ یہ عورت عہدِ رسالتؐ میں گرفتار ہو کر مدینہ آئی تھی اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سفارش پر آزاد کر دی گئی تھی۔ وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں واپس گئی اور وہاں جا کر مرتد ہو گئی۔ طلیحہ کے شکست خوردہ لشکر کے کچھ لوگوں نے اس کے پاس جا کر پناہ لی۔ مرتدین کا ایک گروہ پہلے ہی اس کے ساتھ تھا اس طرح ایک بڑا لشکر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ حضرت خالدؓ اس کی سرکوبی

کے لیے حوأب کی طرف بڑھے جہاں اُمِّ زمل مقیم تھی۔ وہ خود اونٹ پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے نکلی۔ مرتدین نے اس کے اونٹ کے گرد جمع ہو کر سخت مقابلہ کیا۔ اُمِّ زمل بھی بڑی بہادری سے لڑی اور اس کے جوش دلانے پر لاتعداد مرتدین نے پروانہ وار اس پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ بالآخر مسلمانوں نے اونٹ کی کونچیں کاٹ کر اسے زمین پر گرا دیا اور اُمِّ زمل کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام مرتدین بھاگ کھڑے ہوئے۔

طلیحہ اور اُمِّ زمل کی سرکوبی کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید، مالک بن نویرۃ الیربوعی سے نبٹنے کے لیے بطاح کی طرف بڑھے۔ مالک بن نویرہ بنو تمیم کی شاخ بنو ثعلبہ بن یربوع کا سردار تھا۔ اس نے عہدِ رسالت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضورؐ نے بنو تمیم کی مختلف شاخوں کے امیر مقرر فرمائے تو مالک بن نویرہ کو بنو ثعلبہ بن یربوع کا امیر مقرر فرمایا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو مالک بن نویرہ نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ وہ نہ بالکل مرتد تھا اور نہ پکا مسلمان۔ اس کی روش دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ مسلمان کامیاب ہوں تو مسلمان ہی رہے اور مرتدین کو کامیابی ہو تو مرتد ہو جائے۔ اس کے خلاف کارروائی کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ اس نے زکوٰۃ نہیں بھیجی تھی حالانکہ بنو تمیم کی دوسری شاخوں کے سرداروں زبرقانؓ بن بدر، صفوانؓ بن صفوان اور وکیع بن مالک وغیرہ نے زکوٰۃ کی رقمیں بارگاہِ خلافت میں ارسال کر دی تھیں۔ مالک بن نویرہ نے چند دن پہلے نبوت کی ایک جھوٹی دعویدار سجاح کا ساتھ دیا تھا اور مرتدین کی آمد و رفت بھی اس کے پاس رہتی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے رحرحان کے چشمے کے قریب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا تھا۔ حملے کے وقت وہ پکار پکار کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا ——— :

”یہ اونٹ تمہارا مال ہیں انہیں لوٹ لو اور کچھ پروا نہ کرو کہ کل کیا ہوگا۔“

جب سجاح مسیلمہ کذاب سے الگ ہو کر اپنے قبیلے میں واپس چلی گئی اور بنو تمیم کے بیشتر لوگ توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گئے تو مالک بن نویرہ بہت گھبرایا اور مرتدین کو

جو اس کے ہاں جمع رہتے تھے اپنے ہاں آنے جانے سے منع کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے بطاح پہنچ کر مجاہدین کی ایک جماعت علاقے کے مختلف دیہات کی طرف بھیجی اور اس کو ہدایت کی کہ جس بستی میں پہنچو وہاں پہلے اذان دینا اگر جواب میں اس بستی کے لوگ بھی اذان دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرنا اور اگر کوئی جواب نہ دیں اور تمہارے مزاحم ہوں تو ان سے جنگ کرنا۔ جب یہ جماعت گشت کرتی ہوئی مالک بن نویرہ کی بستی کے قریب پہنچی اور اذان دی تو بستی کے ردِ عمل کے بارے میں مجاہدین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ اصحاب کہتے تھے کہ جواب میں ہم نے بستی سے اذان کی آواز سنی ہے۔ بعض دوسروں کا بیان تھا کہ بستی والوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے حضرت خالدؓ کے سامنے لائے اور تمام واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال ان کو زیرِ حراست رکھو۔ کل صبح ان کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ رات کو سخت سردی تھی۔ حضرت خالدؓ نے قیدیوں کے بارے میں حکم دیا:—— ادفئوا اُسراکُم

(اپنے قیدیوں کو حرارت پہنچاؤ)

بعض عرب قبائل کی زبان میں ان الفاظ کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ اپنے قیدیوں کو قتل کر دو۔ مشہور صحابی حضرت ضرارؓ بن ازور نے یہی سمجھا اور مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل ڈالا۔ حضرت خالدؓ نے سنا تو کہا "اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے"۔

ایک اور روایت کے مطابق مالک بن نویرہ کا قتل حضرت خالدؓ سے بدکلامی اور شانِ رسالت میں گستاخانہ گفتگو کے نتیجے میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت خالدؓ سے گفتگو کرتے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بار بار "صاحِبُکَ" (تمہارے صاحب) کے الفاظ دہرائے یعنی تمہارے صاحب یہ کہتے تھے، تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے وغیرہ —— حضرت خالدؓ کو اس پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے فرمایا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے صاحب نہیں؟ اس کے بعد دونوں میں بڑی تلخ اور تیز گفتگو ہوئی۔ مالک بن نویرہ کے اندازِ گفتگو

سے حضرت خالدؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکاری اور اسلام سے منحرف ہو چکا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کرا دیا۔

حضرت ابو قتادہ انصاریؓ بھی حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل تھے ان کو مالک بن نویرہ کا قتل ناگوار گزرا کیونکہ ان کے خیال میں مالک کی بستی سے اذان کی آواز آئی تھی اس لیے اس کا قتل جائز نہیں تھا۔ چنانچہ وہ خفا ہو کر مدینہ منورہ چلے آئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو مدینہ منورہ بلا کر باز پرس کی۔ انہوں نے سارا واقعہ بلا کم و کاست عرض کر دیا۔ خلیفۃ الرسولؐ نے ان کا عذر قبول فرما لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اس موقع پر موجود تھے انہوں نے حضرت ابو قتادہؓ کے موقف کی تائید کی اور حضرت خالدؓ کو معزول کرنے اور ان سے قصاص لینے پر اصرار کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ فرما کر معاملہ ختم کر دیا کہ "لا اشیم سیفاً سلہ اللہ علی الکفرین" (جس تلوار کو اللہ نے کفار پر کھینچا ہو میں اس کو نیام میں نہیں کر سکتا۔) البتہ انہوں نے مالک بن نویرہ کے وارثوں کو بیت المال سے اس کا خون بہا ادا کر دیا۔ گویا حضرت خالدؓ سے اس معاملہ میں اگر کوئی زیادتی ہوئی بھی تھی تو وہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں بری الذمہ قرار دیا۔

۸

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فتنۂ ردہ کے سلسلے میں حضرت خالدؓ بن ولید کو جو کام سونپا تھا جب وہ اسے کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تو دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ اب مسیلمہ کذاب کی سرکوبی بھی تمہارے ذمہ ہے۔

مسیلمہ بن حبیب کا تعلق یمامہ (نجد) کے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ عہدِ رسالت کے اواخر میں وہ بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے دوران میں کہا کہ اگر آپ اپنے بعد مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں ابھی آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپؐ نے اس کو اٹھا کر فرمایا :۔

"جانشینی تو بڑی چیز ہے، میں تو تمہیں یہ چھڑی دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ اللہ نے تیرے لیے جو مقدر کر رکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسیلمہ مسلمان ہو گیا لیکن اپنے قبیلہ میں واپس جا کر مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں بھی نبی ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت میں مجھے حصہ دار بنا لیا ہے ـــــ اسی دروغ گوئی کی وجہ سے وہ کذاب کہلاتا ہے۔ یمامہ سے اس نے حضورؐ کی خدمت میں یہ خط لکھا :

"مسیلمہ رسولِ خدا کی طرف سے محمدؐ رسولِ خدا کی طرف السلام علیک۔ میں آپ کے کام میں شریک ہوا۔ نصف ملک میرا اور نصف قریش کا لیکن قریش ایک زیادتی پسند قوم ہے۔"

حضورؐ نے اس کو یہ جواب بھیجا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کا خط مسیلمہ کذاب کے نام

جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو اس کے بعد تجھ کو معلوم ہو کہ ملک اللہ کا ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے اور آخرت کی بھلائی پرہیزگاروں کے لیے ہے۔"

یہ خط بھیجنے کے جلد ہی بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اب مسیلمہ نے بڑے زور شور سے اپنی نبوّت کا پرچار شروع کر دیا۔ شرفائے بنو حنیفہ میں سے ایک شخص نہار الرجال ایاس بن عنفوۃ تھا وہ قبول اسلام کے بعد یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا تھا اور حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کر کے حضورؐ کی طرف سے اہلِ یمامہ کا معلّم مقرر ہوا تھا۔ یہ بدبخت یمامہ پہنچ کر مسیلمہ سے مل گیا اور علی الاعلان شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا ہے کہ مسیلمہ میری نبوت میں شریک ہے۔ اس سے ہزاروں لوگ گمراہ ہو گئے اور مسیلمہ کے

دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ مسیلمہ نے بہت سی مسجع مہمل عبارتیں تصنیف کی تھیں جو لوگوں کو سناتا اور کہتا کہ یہ وحی ہے۔ اپنی شعبدہ بازی کے زور سے بعض عجیب باتیں بھی ظاہر کرتا تھا اور ان کو اپنا معجزہ بتاتا تھا۔ شراب اور بدکاری کو حلال قرار دیتا تھا۔ اس طرح مسیلمہ کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ بارگاہِ خلافت سے دو لشکر مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے تھے۔ ایک حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کی قیادت میں اور دوسرا حضرت شُرَحبیلؓ بن حسنہؓ کی سرکردگی میں۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر مسیلمہ پر حملہ کرنے کی بجائے الگ الگ اس سے مقابلہ کیا اور ہزیمت اٹھائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کی ناکامی کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عکرمہؓ کو ایک اور مہم پر مامور فرمایا اور حضرت شرحبیل کو حضرت خالد کے پاس جانے کا حکم دیا۔ دوسری طرف حضرت خالد کو حکم بھیجا کہ وہ مسیلمہ کا مقابلہ کریں۔ ساتھ ہی انکی مدد کیلئے مہاجرین اور انصار پر مشتمل تازہ دم جمعیت روانہ کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلہ میں جواب دہی کر کے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں مسیلمہ سے لڑنے کے لیے یمامہ جانے کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت ان کے ساتھ کر دی۔ مہاجرین کے امیر حضرت زیدؓ بن خطاب (حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی) اور انصار کے امیر حضرت حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری تھے۔ حضرت خالدؓ یمامہ پہنچے تو مسیلمہ کے جھنڈے تلے چالیس ہزار آدمی جمع ہو چکے تھے۔ اس نے حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سنی تو آگے بڑھ کر عقرباء (یمامہ کی ایک بستی) کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہیں پہنچ گئے۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو سب سے پہلے نہار الرجال ایاس بن عنفوۃ میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ حضرت زیدؓ بن خطاب اس کے مقابلے پر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں اس کو قتل کر ڈالا۔ اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کے بیٹے شُرَحبِیل نے اپنے قبیلے کو خطاب کر کے کہا، اے بنو حنیفہ آج قومی غیرت و حمیت کا دن ہے سر بکف ہو کر لڑو، اگر مسلمان تم پر غالب آ گئے تو تمہارے اہل و عیال ان کے قبضے میں چلے جائیں گے

اس لیے اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرو۔

شرحبیل کی للکار نے بنو حنیفہ کو شعلۂ جوّالہ بنا دیا اور وہ اس تندی اور تیزی کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے کہ وہ ہزار جتن کے باوجود اپنی صفیں قائم نہ رکھ سکے اور پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

مؤرخ طبری نے لکھا ہے لم یلق المسلمون حربًا مثلها قط یعنی مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا۔ اس نازک موقع پر مسلمان افسروں نے محیّر العقول شجاعت، پامردی اور عزم و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے بیشتر نے مردانہ وار دین حق پر اپنی جانیں قربان کر دیں[1] ان کو دیکھ کر مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے اور وہ تازہ جوش اور ولولے کے ساتھ مرتدین کا مقابلہ کرنے لگے۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ

---

[1] چند مثالیں ملاحظہ کیجئے: ——————

حضرت عمّار بن یاسرؓ کا ایک کان لڑائی میں شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پروائی کے ساتھ حملے پر حملہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھے تو ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارے: "اے مسلمانو! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو۔"

حضرت قیسؓ بن ثابت انصاری نے پکار کر کہا، اے گروہِ مسلمانان تم نے اپنے نفوس کو بری عادت سکھائی۔ اے اللہ میں اہلِ یمامہ کے معبود سے اور مسلمانوں کی پسپائی سے بریت کا اظہار کرتا ہوں، مسلمانو! دیکھو حملہ یوں کیا کرتے ہیں۔

یہ کہہ کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ایک دشمن کے وار سے ان کا پاؤں کٹ گیا۔ وہی کٹا ہوا پاؤں لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کو ہلاک کر ڈالا اور خود بھی شہید ہو گئے۔

حضرت زیدؓ بن خطاب نے پیچھے ہٹتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا:

"مسلمانو! خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے واللہ آج میں اس وقت تک نہیں بولوں گا جب تک دشمن کو شکست نہ دے دوں۔ یا اللہ کے سامنے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دشمن کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ اس مقام تک پیچھے ہٹ گیا جہاں مسیلمہ کا مشہور سردار محکم بن طفیل اپنے قبیلے کو لیے کھڑا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر بڑے زور کا جوابی حملہ لیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس پر تاک کر تیر چلایا جو اس کی گردن میں پیوست ہو گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس سے مسلمانوں کی ہمت اور بڑھی اور انھوں نے ہلّہ کر کے مرتدین کو بہت پیچھے دھکیل دیا۔ لڑائی کی اب یہ کیفیت تھی کہ دونوں فریق سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ کبھی ایک پیچھے ہٹ جاتا کبھی دوسرا۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو جائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پہنچ کر اپنی معذرت نہ پیش کروں۔ اے لوگو! سختیاں برداشت کرو، ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو، آگے بڑھو مسلمانو تم خدا کی جماعت ہو اور تمہارے دشمن شیطانی لشکر۔ عزّت اللہ، اللہ کے رسولؐ اور اس کی جماعت کے لیے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو۔" یہ کہہ کر تلوار کھینچ کر دشمن پر جا پڑے اور شہادت پائی۔

حضرت ابو حذیفہؓ نے للکار کر کہا:

"یا اھل القرآن زینوا القرآن بالفعال"

(اے قرآن والو! اپنے عمل سے قرآن کی زینت بڑھاؤ۔)

یہ کہہ کر دشمن پر ہلّہ کیا اور شہید ہو گئے۔

مہاجرین کے علمبردار حضرت سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہؓ ایک گڑھا کھود کر اس میں پاؤں جا کر کھڑے ہو گئے اور للکارے "مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں تو ہم اس طرح میدان نہیں چھوڑتے تھے۔" اتنے میں مرتدوں کا ایک زبردست ریلا آیا حضرت سالمؓ اس جوش سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ایک ہاتھ شہید ہو گیا تو دوسرے میں عَلَم تھام لیا۔ دوسرا بھی کٹ گیا تو دست بریدہ بازوؤں کا حلقہ بنا کر عَلَم کو سینے سے چمٹا لیا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔

اور اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ معلوم ہو کہ ہماری کمزوری کس قبیلے کی وجہ سے ہے۔ اس تدبیر کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ ہر قبیلہ اپنی غیرت وحمیت برقرار رکھنے کے لیے نہایت بے جگری سے لڑنے لگا لیکن مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود مسیلمہ ثابت قدم رہا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھ لیا کہ جب تک مسیلمہ نہ مارا جائے گا، کامیابی مشکل ہے وہ دشمن کی صفوں کو چیرتے مسیلمہ کے قریب پہنچ گئے اور اس کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ اس نے ادھر دیکھا تو حضرت خالدؓ نے اس کے سامنے شرائطِ صلح پیش کرنی شروع کیں۔ مسیلمہ ہر شرط پر منہ اس طرح پھیر لیتا یا جھکا لیتا گویا وحی کا منتظر ہے۔ حضرت خالدؓ اسی حالت میں اس پر جھپٹ پڑے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو حملہ کے لیے للکارا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا اور اپنے باغ "حدیقۃ الرحمٰن" میں گھس گیا۔ اس کا لشکر بھی باغ میں داخل ہو گیا اور اس کی چار دیواری کا دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں میں حضرت انسؓ بن مالک (خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھائی حضرت براءؓ بن مالک بھی موجود تھے، ان کی عجیب عادت تھی، جب ان کو جوش آتا تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، کئی آدمی ان کو دبا لیتے جب لرزہ ختم ہوتا تو وہ شیر کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ اس لڑائی میں بھی ان کی یہی کیفیت ہوئی۔ دشمن کو مارتے کاٹتے آگے بڑھ رہے تھے کہ باغ کی چار دیواری ان کے راستے میں حائل ہو گئی۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا، مجھ کو اٹھا کر باغ کے اندر پھینک دو۔ مسلمانوں نے کہا، ایسا نہیں ہو سکتا اس طرح تو آپ دشمن کے قابو میں آجائیں گے۔ حضرت براءؓ نے قسم دے کر کہا، مجھے باغ میں اتار دو۔ آخر مسلمانوں نے ان کو دیوار پر چڑھا دیا اور وہ باغ میں کود پڑے۔ بے شمار مرتد ان پر ٹوٹ پڑے لیکن وہ لڑتے بھڑتے باغ کے پھاٹک تک پہنچ گئے اور اس کو کھول دیا۔ اسلامی لشکر جو باہر کھڑا تھا اندر داخل ہو گیا اور فریقین میں خوفناک جنگ ہونے لگی۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو للکار کر کہا، مسلمانو! ثابت قدم رہو بس تمہارے ایک اور ہلّے کی دیر ہے کہ دشمن تباہ ہو گیا۔ اس للکار پر مسلمانوں نے اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ مسیلمہ بھاگنے لگا